Marfat.com

الحمد للہ ۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ مطابق [illegible]

Marfat.com

# حضرت بلال رضؓ بن رباح

تالیف

عباس محمود العقاد

ترجمہ

حافظ سید عبد الرشید ندوی ایم۔اے

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

Marfat.com

جملہ حقوق بحق نفیس اکیڈمی کراچی محفوظ

اشاعت اوّل ——— سنہ ۱۹۸۳ء

تعداد ———

طابع ——— نفیس اکیڈمی آفسٹ پرنٹرز

ناشر ——— چوہدری طارق اقبال گاھندری

کتابت ——— حبیب اللہ خوشنویس

نفیس اکیڈمی آفسٹ پرنٹرز

اسٹریچن روڈ - کراچی ۱

NAFEES ACADEMY Strachan Rd, KARACHI Rs.

Marfat.com

# فہرست


| | |
|---|---|
| عرض ناشر | ۵ |
| حرف آغاز | ۸ |
| مسئلہ جنس ونسل | ۱۳ |
| عرب اور اجناس | ۶۹ |
| اسلام اور غلامی | ۷۷ |
| حضرت بلالؓ، پیدائش ونشو ونما | ۹۸ |
| حضرت بلالؓ کا اسلام | ۱۱۷ |
| حضرت بلالؓ کے اوصاف و اخلاق | ۱۳۷ |
| اذان | ۱۵۵ |
| مؤذن اوّل | ۱۷۳ |
| تبصرہ | ۲۱۱ |


Marfat.com

Marfat.com

# عرض ناشر

اس میں شک نہیں کہ عباس محمود العقاد مرحوم اسلام کے وہ اولین مایۂ ناز قافلہ سالار تھے جنہوں نے اپنی بہترین تالیفات کے ذریعہ اسلامی فکر و شعور کی زبردست خدمات انجام دی ہیں انہوں نے جہاں اپنی علمی و دینی تالیفات کے ذریعہ دین حنیف کے روشن چہرہ سے حقیقتوں کا پردہ اُٹھایا ہے وہیں انہوں نے اپنے قوی دلائل سے ملحدین و منکرین دین کے عائدکردہ الزامات اور لاطائل دلائل کی پُرزور تردید بھی کی ہے۔ جزیرۃ العرب میں خلفاء راشدین کے علاوہ دول اسلامی کے عظیم رہنماؤں، بہادر جرنیلوں، دانشوروں اور مفکرین کی جو سوانح ہائے حیات استاذ عباس محمود العقاد مرحوم کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں وہ اسلامی لٹریچر کا عظیم سرمایہ ہیں۔ عقاد مرحوم نے اپنی فطری بصیرت اور روشن فکر سے اسلام اور مسلمان زعماء کے دشمنوں کا جس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے، وہ درااصل اُن ہی کا حصہ تھا۔ ان کا پختہ خیال تھا کہ انسانیت کے عظیم فرزندوں اور جلیل القدر دانشوروں کی قدر و منزلت کے بغیر خود انسانیت کا حق کما حقہ ادا نہیں ہوسکتا نیز یہ کہ خود انسانیت اس وقت تک لائق محض ہے جب تک کہ خود عظمت انسانی کا اعتراف کرکے اس کو کوئی مقام نہ دیا جائے۔ عقّاد

Marfat.com

مرحوم نے دول اسلامی کے عظیم المرتبت رہنماؤں کے شاندار کارناموں کو جس طرح دنیائے اسلام میں روشناس کرایا ہے اس میں وہ بلا شرکت غیرے تمام سوانح نگاروں میں ہمیں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں - اپنی ان عظیم تالیفات میں سے جو مؤلف مرحوم نے اسلام کے عظیم فرزندوں کے متعلق مرتب کی ہیں اپنی ایک تالیف میں خود اپنے دل سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا واقعی یہ شخص اس قابل ہے جس کی زندگی کو ہم دوام بخش سکتے ہیں ؟ اور پھر خود ہی اپنے آپ کو اور اپنے قارئین کو یہ کہتے ہوئے جواب دیتے ہیں - اگر زندگی واقعی اعتماد اور بھروسہ کے لائق ہے اور اس کا ایمان بھی قابل قدر ہے تو اس کا جواب ہاں ہوگا - اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب مایوسی، ضیاع اور انتشار کے سوا کچھ نہیں"۔

استاد عقاد مرحوم نے اپنی دوسری تالیفات میں نوع انسانی کے اُن دشمنان دین وملّت کے خلاف بھی ہمیشہ اپنا محاذ قائم رکھا جن کی زندگی کا مقصد ہمیشہ ہر عظیم انسان کی توہین اور خیر وفلاح اور اخلاق حسنہ کی بیخ کنی کرنا ہے، یہ یہ منکرین خیر و فلاح معاشرہ میں صرف ایسے ہی تخریبی کام سرانجام دیتے ہیں جو اللہ کی اس سرزمین پر ڈاکو، رہزن اور غارت گر اور مفسد انجام دیتے ہیں ایسے لوگوں کو ہمیشہ تعمیر سے نفرت اور تخریب سے خوشی ومسرت ہوتی ہے، یہ لوگ ہمیشہ کمینوں اور رذیلوں کی خوشامد کرتے ہیں اور شریفوں اور نجیبوں کی توہین وتحقیر میں خوشی وراحت محسوس کرتے ہیں عقاد مرحوم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمرؓ

Marfat.com

حضرت خالد، سید الشہداء حضرت امام حسینؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب اسی پاکیزہ جذبہ اور اعلیٰ مقصد سے لکھا ہے جس سے اگرچہ دشمنان دین کے غم و غصہ میں اضافہ تو ضرور ہوا لیکن حلقہ بگوشانِ اسلام کے قلب و ذہن میں اس سے ایک گونہ طمانیت اور روحانی مسرت بھی پیدا ہوئی۔ لیکن اسی کے ساتھ استاذ عقاد مرحوم جیسے مورخ اسلامی اور مفکر نے اس ذات گرامی قدر کی سوانح کو بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا جس کے دہن شیریں سے نکلے ہوئے اللہ اکبر کے بول خدا کی عظمت و کبریائی کا مسحور کُن ترانہ دن میں پانچ بار مسلمانوں کو سناتے تھے یہ عظیم ہستی وہ ہے جس کو ہم بلال بن رباح داعی اسماء اور مؤذن اوّل کے معزز لقب سے جانتے پہچانتے ہیں۔ رُوئے زمین پر ہونے والا کوئی عذاب اور کوئی ایذا ایسی نہ تھی جو اللہ کے اس حبشی النسل بندے اور اسلام کے شیدائی نے اس دعوت حق کو قبول کر کے برداشت نہ کی ہو جو خدا کے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو پہنچی تھی۔

رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسی جان نثار عاشق کی سوانح عمری کو پیش کرنے کا فخر ادارہ دار الکتاب العربی بیروت حاصل کر رہا ہے۔

(طارق اقبال گاهندری)

Marfat.com

Marfat.com

# حرفِ آغاز

ہر دو مشہور عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں جنسی اور نسلی دعوت کا غلغلہ بڑے زور شور سے بلند ہونا شروع ہوا اور اس کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا کہ رفتہ رفتہ اس میں سیاسی عمل دخل بھی پوری طرح سرایت کر گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے متکبّر داعی اور مبلغین خالص علمی و تاریخی مباحث میں بھی موقع بے موقع اس موضوع پر بحث و مباحثہ کرنے لگے نسلی عناصر اور اجناس کے مابین انصاف سے متعلق اسلام کا اپنا ایک جداگانہ نظریہ ہے جو" عصری تہذیب اور علم جدید" کے نظریہ سے زیادہ ارفع اور متوازن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک سیاہ فام حبشی النسل تھے جن کا نام بلال رضی اللہ عنہ بن رباح تھا۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اوّل تھے اور نہ صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھے بلکہ خلفاء راشدین صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی ان کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔ آج انہی محترم و محبوب بزرگ کی سوانح حیات "داعی اسماء بلال رضی اللہ عنہ بن رباح مؤذن الرسول ؐ" قارئین کرام کی خدمت میں فخر سے پیش کی جا رہی ہے جو منجملہ ان دیگر سوانح ہائے حیات کے ہمارا قیمتی سرمایہ ہے جو دیگر بزرگانِ ملت اور دانشورانِ اُمت کے

Marfat.com

متعلق دوسری عالمی جنگ کے بعد راقم الحروف کے قلم سے نکلی ہیں اور
جنہیں دار الکتاب العربی بیروت نے شائع کیا ہے۔

عباس محمود العقاد

Marfat.com

# پیش لفظ

عباس محمود العقاد مرحوم لبنان کے ممتاز ادیب و مفکر اور مشہور و معروف سوانح نگار گزرے ہیں جن کے رشحاتِ قلم کی بدولت اسلامی دُنیا تقریباً چالیس زعماء و بزرگانِ اسلام اور دانشوران ملت کی سوانح ہائے حیات ان کے شاندار کارناموں اور عظیم قربانیوں سے پوری طرح روشناس ہوئی ہے، انہی ممتاز بزرگوں اور اسلام کے جاں نثار عاشقوں میں توحید کے علمبردار و پرستار اور داعی اسلام کے شیدائی مؤذن اوّل حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی بھی ہے جن کی مفصل و جامع اور محققانہ سوانح حیات استاذ العقاد مرحوم نے "عربی میں" داعی اسماء بلال بن رباح مؤذن الرسول" کے نام سے لکھی ہے اور جس کو بیروت (لبنان) کے مشہور ادارے، دار الکتاب العربی نے دیدہ زیب کتابت وطباعت سے آراستہ کر کے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی غیر معمولی افادیت کے پیشِ نظر اس کا اُردو میں سلیس ترجمہ آپ کی خدمت میں نفیس اکیڈمی کراچی کی جانب سے جو دینی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت کے لیے مشہور و معروف ہے اس خیال سے پیش کیا جا رہا ہے کہ اُردو زبان میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ہنوز کوئی مستند کتاب موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

اس میں شک نہیں کہ مؤلف مرحوم نے اپنی جودتِ طبع اور فکرِ رسا سے جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن رباح کی سوانح حیات اور ان کے معاشی و معاشرتی احوال و کوائف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ان کی بے داغ سیرت کے اُن پہلوؤں کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے جن کے باعث ان کو اسلام لانے کے بعد ہر طرح کے دردناک جسمانی عذاب اور روحانی کرب و اذیتوں کا تختۂ مشق بنایا گیا لیکن یہ مردِ مجاہد ہر ایذا اور تکلیف کے مقابلہ میں عزم و ہمت اور ثبات و استقلال کا کوہِ گراں ثابت ہوئے لیکن دین کے دشمنوں کا کوئی حربہ ان کو صراطِ مستقیم اور دینِ حنیف سے ہٹانے میں کارگر ثابت نہ ہوا۔

عباس محمود العقاد مرحوم کی لکھی ہوئی کتاب "داعی اسماء بلال رضی اللہ عنہ بن رباح مؤذن الرسول" کے اُردو ترجمہ میں حتی الامکان سلاست و روانی اور الفاظ کی سادگی و شستگی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ برصغیر پاک و ہند کے کروڑوں مسلمان اپنے محبوب مؤذنِ رسول حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکیزہ سیرت و سوانح حیات کے مطالعہ سے پوری طرح مستفید و لطف اندوز ہوں ہمیں اُمید ہے کہ قارئین کرام اس سلسلہ میں نفیس اکیڈیمی کی مخلصانہ جدوجہد اور کاوشوں کو قدر و استحسان کی نظر سے دیکھیں گے اور مترجم کو بھی دعاء خیر میں یاد رکھیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(مترجم)

Marfat.com

# مسئلہ جنس ونسل

نسل یا جنس کا مسئلہ ایسا اجتماعی ومعاشرتی مسئلہ ہے جس کا ذکر نہ صرف اکثر وبیشتر معاصرین کی زبانوں پر رہتا ہے بلکہ ان کی تحریروں میں بھی پایا جاتا ہے، اس میں شک نہیں کہ معاشرتی واجتماعی مسائل میں یہ مسئلہ سرِفہرست ہے اور اوّلین قبائلی نظام کے ساتھ وجود میں آنے والا قدیم ترین مسئلہ ہے۔ اکثر مغربی مفکرین نسلی یا جنسی مسائل پر بحث کے دوران لفظ جنس کو سامی الاصل قرار دیتے ہیں اور اس کو ترجیحی طور پر عربی لفظ قرار دیتے ہیں ان کے خیال میں یہ لفظ راس سے ماخوذ ہے جو انسانی اور غیر انسانی نسل کے دردوس) سروں میں امتیاز بخشتا ہے۔ ابتدائی زمانہ میں قبائل کا باہمی اختلاف اور ان کا تفاخری جذبہ کلیتًا کسی شر پر مبنی نہ تھا اور نہ ہی ان کے مابین وجہ نزاع تھا۔ چنانچہ علماء ومفکرین میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اجتماعی ومعاشرتی تعلقات کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور انسانی آداب اور ابتدائی تعلقات کو کسی بھی مرحلہ میں وحشی اور اُجڈ انسانی قبیلہ کے لیے بھی انتہائی ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ اسی تعلق کے باعث قبائل میں باہمی تجاوز اور تعارف پیدا ہوتا ہے قرآن پاک نے اس مفہوم کو سورۃ الحجرات میں اس طرح بیان کیا ہے؛ اے

Marfat.com

لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبائل اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو چنانچہ وہ فرائض و واجبات جو کوئی قبیلہ اپنے بیٹوں یا قبائلی افراد پر عائد کرتا ہے وہ اسی دن کے لیے ان واجبات و فرائض کی اساس و بنیاد بنتے ہیں جو انسان اس کے بعد سیکھتا ہے خواہ یہ واجبات و فرائض اس پر خود اس کے قبیلہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہوں، خواہ اُمت یا معاشرہ کی طرف سے یا مجموعی طور پر انسانیت کی طرف سے عائد کیے گئے ہوں حقیقت یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر اپنے بعض ایسے خصوصی امور پر فخر و مباہات کا قوی جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے جو اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائے جاتے عام اس سے کہ اس فخر و مباہات کی بنیاد اور مدار کیا ہے ۔ چنانچہ بنی نوع انسان کا کوئی فرد جس طرح اپنے حسب نسب اور خاندان پر فخر و تمکنت کرتا ہے اسی طرح اس کے اندر اپنے مسکن و مولد مطعومات و مشروبات کے متعلق بھی اسی نوع کا جذبہ کارفرما رہتا ہے اور جس طرح زندگی کی حقیقتوں کے بارہ میں وہ دوسروں پر فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے اسی طرح وہ اوہام و اساطیر میں بھی دوسروں سے سبقت لے جانے کا دعویٰ کرتا ہے غرضیکہ زمانہ قدیم سے نسل انسانی کا ہر فرد اپنے حسب و نسب اور خاندانی امتیازات پر فخر و مباہات کا ہمیشہ شکار رہا ہے اور فخر و تمکنت کا یہ جذبہ اس میں اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جب اُس کے خاندان یا قبیلہ کو عرصہ دراز تک معاشرہ میں غلبہ و اقتدار حاصل رہا ہو، اگر یہ غلبہ و اختیار اس کو موجودہ وقت میں بھی حاصل ہے تو وہ اس کو

Marfat.com

اپنے فخر و مباہات کی بہت بڑی دلیل اور علامت سمجھتا ہے اور اگر بالفرض اس کے غلبہ و اقتدار کا دور گزر چکا ہے تو بھی وہ اس کو اپنے خاندان و قبیلہ کی قدامت و نجابت اور کرامت و شرافت پر محمول کرتا ہے اور دوسرے کے غلبہ و اقتدار کو چند روزہ اور عارضی قرار دیتا ہے اور اس طرح وہ اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ فخر و مباہات کا مستحق اور اہل جانتا ہے خواہ موجودہ وقت میں اس کے حالات کتنے ہی زبوں اور خستہ کیوں نہ ہوں۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا میں ہمیں کوئی بھی قوم ایسی نہیں ملتی جو اپنے احوال و کوائف حسب و نسب قومی صلاحیتوں اور ملی امنگوں سے متعلق فخر و مباہات کے جذبہ سے عاری و خالی ہو۔

ایک شاعر کہتا ہے :۔" میرے ہم وطن اگر مجھ پر ظلم بھی کریں تو مجھے محبوب ہیں" اور میرے گھر والے اگر مجھ سے بخل کریں تو بھی سخی اور کریم ہیں۔" شاعر نے اپنے اس شعر میں ہر حیثیت سے تمام حقیقتیں جمع کر دی ہیں خواہ وہ ان سے واقف ہو یا نہ ہو اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کا وطن یا شہر ہی سب سے اچھا ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ اس کے گھر والے دوسرے لوگوں سے اتنے زیادہ اچھے ہوں کہ وہ ان سے منسوب ہونے پر فخر کرے اور ان کی اچھی شہرت کو اپنے لیے اور اپنی شہرت کو ان کے لیے باعث افتخار سمجھے، ایک زمانہ وہ تھا جب قدیم مصری اپنے آپ کو انسان کامل سمجھتے تھے اس کے بعد مختلف شعوب و قبائل کا دور آیا جن کو اس زمانہ کے معاشرہ میں اگرچہ چھٹا درجہ

Marfat.com

نصیب تھا لیکن ان کے متعلق عام خیال تھا کہ وہ نہایت مہذب و متمدن انسان ہیں اور ان کے علاوہ باقی لوگ بربر اور وحشی ہیں جن میں فہم و شعور کی سخت کمی اور تہذیب و حضارت کا فقدان ہے، علیٰ ہذا القیاس قدیم عربوں کو بھی اپنے بارہ میں یہ زعم تھا کہ وہ اتنے فصیح، بلیغ اور کریم النفس ہیں کہ ان کے ماسوا سب لوگ گونگے اور بے شعور اور کم فہم ہیں جو کسی بات کو نہیں سمجھتے ہیں نیز ان میں اخلاق و مروّت بھی نہیں ہے اور وہ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی کسی مقام پر نہیں ہیں۔ یہی حال ایران، ہندوستان اور چین وغیرہ کے باشندوں کا تھا، غرضکہ ساری دنیا میں شعوب و قبائل کے اپنے اپنے متعلق یہی خیالات تھے حالانکہ اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو عادات و اطوار اخلاق و خصائل حسب و نسب اور اساسی اصل کے اعتبار سے سب ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ یہی طور طریقے موجودہ زمانہ کی مہذب و متمدن قوموں میں آج بھی رائج ہیں اور اس لحاظ سے یورپ کے باشندوں کو دوسرے براعظم کے رہنے والوں پر ایک گونہ امتیاز حاصل ہے لیکن یہ جذبۂ تفاخر خود ان میں بھی موجود ہے چنانچہ وہ ہم نسل، ہم عقیدہ اور ہم زبان ہونے کے باوجود اپنے قرب و جوار کی قوموں کے مقابلہ میں ایک دوسرے سے عادات و اخلاق خاندانی شرافت و کرامت کے علاوہ قومی کارناموں اور اولوالعزمیوں پر تقابل و تفاخر کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ یورپی اقوام میں اٹلی، اسپین اور فرانس سے زیادہ کوئی قوم جذبہ و فخر و تمکنت میں بڑھی ہوئی نہیں ہے یہ قومیں زبان کے اعتبار

Marfat.com

سے بالعموم لاطینی زبانیں بولتی ہیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے مسیحی ہیں اور جنسی اعتبار سے مخلوط النسل ہیں۔ لیکن ان سب قوموں میں ایک مشترک اور ممتاز قومی خصوصیت جس پر وہ سب سے زیادہ فخر کرتے ہیں ان کا گورا رنگ ہے، اس کے علاوہ تمام براعظموں میں ایک منتخب اور مخصوص براعظم کی طرف اُن کی نسبت بھی ہے جو ان کو بزعم خود دوسروں سے جُدا اور ممتاز کرتی ہے ان لوگوں نے سفید رنگ یا گوری چمڑی کو تمام انسانوں میں اپنی تہذیبی عظمت رحمت خداوندی فخر و تمکنت اور علمی و تمدنی ترقی کا نشان سمجھا ہوا ہے، جدید انگریزی کے عالم و ادیب جولیس ہکسلے نے سچ کہا ہے کہ علمی و تمدنی ترقی کے ان دعوے داروں سے بہت پہلے اور میلادِ مسیح قبل انبیاء بنی اسرائیل میں سے اشعیاء نبی نے اپنے انچاسویں درس میں کہا ہے "اے جزائر کے رہنے والو اور اے دُور دراز خطوں میں بسنے والی اُمتو ! میری بات دھیان سے سنو" مجھے میرے رب نے پیٹ ہی سے پکارا ہے، اس نے میرا نام ماں کے پیٹ ہی میں رکھا ہے اس نے میری زبان کو تیز تلوار کی مانند بنایا ہے اس نے اپنے ہاتھ میں مجھے چھپایا ہے اور مجھے نوکیلے تیر کی طرح بنایا ہے اس نے مجھے اپنے ترکش میں چھپایا ہے اور اس نے مجھ سے کہا ہے اے اسرائیل تو میرا بندہ ہے میں تجھے بزرگی دوں گا" لیکن میں نے اس سے کہا "تو نے مجھے فضول بنایا اور میں نے اپنی قوت یوں ہی ضائع کر دی" "لیکن میرا حق میرے رب کے پاس ہے اور میرا عمل میرے خدا کے پاس ہے۔"

Marfat.com

" اور اب میرے رب نے کہا اب پیٹ میں سے ایسا بندہ پیدا کر جو یعقوب کو رب کی طرف مائل کر دے اور بنی اسرائیل کو اس سے ملا دے خدا نے کہا تو کم ہی میرا بندہ ایسا بنے گا کہ یعقوب کی اولاد کو راہِ راست پر رکھے گا میں اپنے رب کی عزت کروں گا اور وہ میری قوت بن جائے گا اس کے جواب میں خدا نے کہا میں نے تجھ کو تمام اُمتوں اور قوموں کے لیے نور بنایا ہے تاکہ تو ساری دُنیا کے لیے میری طرف سے نجات بن جائے۔" غرضکہ یہ تخفی گوری قوموں کے لیے رحمت خداوندی کی وہ بشارت جو میلادِ مسیح سے کئی سات صدی قبل بنی اسرائیل کو مل چکی تھی۔ اور جس پر وہ آج تک نازاں چلے آرہے ہیں۔ قومی فخر و مباہات کے یہ غیر منطقی اور غیر علمی نعرے دنیا میں آج بھی گونجتے ہوئے سُنائی دیتے ہیں جنہیں ہم بچوں کی ان طفلانہ شیخیوں اور بچگانہ تعلّیوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو وہ اپنے آباء واجداد کے کارناموں ان کی دولت و امارت مکانات و باغات اور اپنے ان شہروں قصبوں اور دیہاتوں کے بارہ میں کرتے ہیں جہاں وہ رہتے ہوں یا اُن کی نشو و نما ہوئی ہو اس سے معلوم ہوا کہ نسلی و اجناس اور احساب و انساب کے متعلق اس نوع کا فخر بلا وجہ اور بلا سبب ہمیشہ قوموں میں جاری و ساری رہا ہے جس میں بالعموم منطقی قیاس فکر و شعور اور سنجیدگی و متانت کو بہت کم دخل رہا ہے پھر انیسویں صدی میں شعوب و قبائل کے درمیان علمی مباحث کا دائرہ مزید وسیع ہو گیا۔ اور اس میں بہت سے موضوعات داخل ہو گئے، چنانچہ بشری و انسانی اجناس اور ان کی اقسام کے متعلق بھی خالص علمی نقطہ نگاہ سے

Marfat.com

گفتگو ہونے لگی حتیٰ کہ اس بحث و مباحثہ کے نتیجہ میں پانچ ایسی اقسام دریافت ہوئیں جن سے بظاہر نوع انسانی کی جنسوں یا نسلوں کا تعلق معلوم ہے وہ پانچ قسمیں یہ ہیں۔

قفقاسی یا سفید جنس، زنجی یا سیاہ جنس، منگولی یا زرد جنس، گندمی یا ملایائی جنس، سُرخ جنس یا بر اعظم کے قدیم اور اصلی باشندے،

بعض لوگوں نے اس کو مختصر کر کے تین قسموں میں محدود کر دیا ہے۔ زرد گندمی۔ اور سُرخ اور ان تینوں کی ایک ہی اصل تسلیم کی گئی ہے۔ جو بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے ان فرقوں کو خصوصی اہمیت دی ہے جو نسلاً ورثہ میں ملتے ہیں یا نسل کے ساتھ منتقل ہوتے رہتے ہیں اور یہ وہ فرق ہیں جن کو حیاتیاتی فرق کہا جا سکتا ہے اس کے برخلاف وہ لوگ اجتماعی و معاشرتی فرقوں سے جو کسب و اکتساب یا تقلید و اتباع سے حاصل ہوتے ہیں زیادہ بحث نہیں کرتے۔ لُغت و زبان کے جرمن عالم میکس ملر نے اجناس کا درس بین اللغاتی مقابلہ و موازنہ سے حاصل کیا ہے، چنانچہ اس نے آریائی لغات کے کلمہ کو اپنی بحث کا موضوع بنایا اور اس موضوع کو از سرِ نو زندہ کیا ہے حالانکہ اس سے قبل یہ کام سر ولیم جونس کبھی اٹھارہویں صدی کے آخر میں کر چکا ہے میکس ملر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندی فارسی زبان کے لہجے وسط ایشیا میں جس کو متقدمین آریانا کہا کرتے تھے ایک ہی گہوارہ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ کہ نشاۃ اولیٰ میں ان کا تعلق ایک ہی قسم کی بشری اجناس سے تھا لیکن ان مباحث میں حصہ لینے والے علماء

Marfat.com

کے نزدیک آج یہ دونوں اقوال غلط ہیں۔ جیسا کہ جولین ہکسلے نے براعظم یورپ کی جنس کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ثابت کیا ہے بہرحال جرمن عالم نے محسوس کر لیا کہ چونکہ آریائی جنس کی دعوت عنقریب علمی غور و فکر کے دائرہ سے نکل کر سیاسی خواہشات کے تابع ہو جائے گی اس لیے اس نے اپنے قارئین کو اپنے کلام کی تفسیر و تشریح میں غلطی سے بچنے کی تنبیہ کی ہے اور اپنے بڑھاپے میں اس نے دوبارہ یاد دہانی کراتے ہوئے کہا ہے کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ "میں نے آریہ کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے لیکن اس سے میری مراد خون ہڈی گوشت پوست اور کھوپڑی نہیں ہے بلکہ اس سے میری مراد واضح طور پر صرف ایک اور ایک ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو آریائی زبان بولتے ہیں اور جب میں ان کی طرف سے بولتا ہوں تو میں اس میں تشریحی خصائص کی پیروی نہیں کرتا ہوں اور نہ ہی اس سے میرا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اسکندی نیویا کے نیلی آنکھوں والے اور زرد بالوں والے باشندے فاہر و جابر تھے یا مجبور و مقہور تھے اور نہ ہی اس سے میری مراد یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے ان گندمی رنگ والوں کی زبان اختیار کر لی تھی جوان پر غالب آ گئے تھے یا اس کے برعکس کوئی اور بات تھی در اصل میرے نزدیک جنس و نسل کا وہ عالم جو آریائی عنصر آریائی خون آریائی آنکھوں اور آریائی بالوں کی بابت گفتگو کرتا ہے شدید علمی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے جس طرح انیسویں صدی عیسوی مختلف حیثیتوں سے علم و فلسفہ اور سائنس کی صدی کہلاتی ہے اسی طرح علماء حیاتیات کی اصطلاح میں یہ صدی دور آغاز ارتقاء کے نام سے مشہور

Marfat.com

ہے اور ان کے نزدیک اس موضوع میں بحث و مباحثہ اور آراء و اقوال کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان لوگوں کا قول یہ ہے کہ بشری اجناس کا تعلق ایک اصل یا ایک شاخ سے نہیں ہے بلکہ متفرق اصول سے ہے چنانچہ بندروں کی اعلیٰ نسل بشریت سفلی کے اجناس سے ہے اور منگول اور بندروں کی وہ سفلی نسل جو اورنگ کہلاتی ہے ایک اصل سے ہیں اسی طرح زنجی گوریلے اور چمپینزی دوسری اصل سے ہیں، علمائے اجناس میں سے اس رائے کا حامی جرمن عالم ڈاکٹر ہرمن کلاتش ہے جو جرمنی کی بروسیلز یونیورسٹی میں پروفیسر ہے اس نے بیسویں صدی کے اوائل میں اپنی اس رائے کا اعلان کیا اور اس کی تائید میں اس نے اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں بندروں اور بنی نوع انسان کی اقسام میں مقابلہ کر کے بھی دکھایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی نہ صرف علمی مباحث کی صدی تھی جس کا اولیں مقصد استعماری طور طریقوں سے کام لینا اور اساسی تنازعات سے فائدہ اٹھانا تھا، چنانچہ عیسائی مبلغین کے نسلی امتیازات کی تبلیغی اور جنسی عصبیت پر مبنی اسکولوں کی رپورٹ سے مذکورہ بالا امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اس کے علاوہ پورے یورپ میں قائم شدہ تبلیغی اداروں نے واضح طور پر نہ صرف شمالی یورپ کے اجناس کا تمام بشری اجناس پر فوقیت و برتری کا پروپیگنڈہ کیا بلکہ تہذیب و ثقافت اور علمی فتوحات کا تمام تر سہرا بھی ان اصل آریائی اجناس کے سر پر رکھا جن کا تعلق شمال سے ہے۔ اس بلند بانگ دعوے میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا فرانس کا

Marfat.com

ماٹھ سالہ آرتھر دی جوبینو تھا جس نے جرمنی کی قومیت بھی حاصل کر لی تھی۔ اس نوع کا ادعا کرنے والوں سے کبھی امریکہ بھی خالی نہیں رہا وہاں بھی سُرخ سفید اور کالے گوروں کی نزاعی بحث کے علاوہ یورپ سے آنے والے مختلف نسلوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے مہاجرین مثلاً سیکسن اور لاطینی، شمالی اور جنوبی اقوام کے مابین جنسی عصبیت اور نسلی تفاخر کا جذبہ برابر کارفرما رہا چنانچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس عقیدہ اور جذبہ تفاخر کے مشہور مبلغ لوتھراپ اسٹوڈارڈ (LOTHROP - STODDARD) اور ماڈیسون گرانٹ (MADISON GRANT) تھے۔

رنگ دار لوگوں کی کراہت و نفرت گوروں کی افضلیت و برتری اور آریائی جنس کی فضیلت ہی ایک وجہ ان کی حقارت و ذلت کی نہ تھی جوان لوگوں نے گوری قوموں میں پیدا کر دی تھی بلکہ اُن کی آزاد حکومت اور طبقاتی و معاشرتی مساوات بھی ان مبلغین کو بے حد ناپسند تھی اس میں شک نہیں کہ نپولین بونا پارٹ کی جنگوں کا بھی جرمن قوموں میں اس قسم کی عصبیت پیدا کرنے اور ان کے دل میں بغض و عناد کی آگ کو ہوا دینے میں کافی دخل تھا اس لیے کہ یہی ان کے پاس اپنے دفاع کا سب سے بڑا ہتھیار تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے قومی فخر و تمکنت کا دفاع لاطینی یا شمالی و جنوبی اقوام کے مقابلہ میں کر سکتے تھے نپولین بونا پارٹ لاطینی فرانس کا ایسا لیڈر تھا جو براعظم یورپ کے جنوب الجنوب کے نشیبی میدان میں جرمنوں سے معرکہ آرائی کر سکتا تھا۔ غرضکہ فخر و مباہات کا وہ نعرہ جس سے پوری جرمن قوم کو وحدت کی لڑی میں پرویا جا سکتا تھا ان کا جنس شمالی

Marfat.com

کی طرف منسوب ہونا تھا اور یہ ایسی خصوصیت اور فضیلت تھی جو جرمنی کے ہر باشندے کے لیے قابل فخر اور باعث عظمت تھی اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ زمانہ وہ تھا جب عام طور پر یورپ و امریکہ کے لوگ جنس و نسل کی بحثیں کرنے استعماری حربوں کے آزمانے اور جمہوری نعرے بلند کرنے میں بہت مشغول تھے تو جرمن ان باتوں میں اپنے دوسرے پڑوسیوں کے مقابلہ میں نسبتاً بہت پیچھے تھے اس لیے انہوں نے جرمنوں کی جنسی تفوق کا نعرہ بلند کیا اور نسلی برتری کا سہارا لیا- آریائی جنس کے تفوق و برتری کا انحصار علامہ میکس ملر کی تشریح کے بموجب انگریزی ممالک میں پیدائش پر ہے یہی وجہ ہے کہ نسلی تفوق کے نادر دعوے کا تعلق ماضی قریب اور ماضی بعید میں کبھی جرمن تہذیب و ثقافت سے نہیں رہا حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی پہلی عالمگیر جنگ کے متعدد اسباب نے جرمنی کے لیڈروں کے دعویٰ آریت، مسئلہ نسل یا شمالی اقوام کے جملہ یورپی و غیر یورپی اقوام پر فخر و غلبہ کے دعوؤں کو خلط ملط کر دیا تھا- اس لیے جرمنی کے لیڈروں نے اشتراکیت سے لڑائی لڑنے کے لیے خود کو تیار کیا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ملک میں نیشنلزم اور قوم پرستی کو فروغ دینے کی سر توڑ کوششیں شروع کر دیں تاکہ اپنے ملک کو کمیونزم اور اشتراکیت کے حملوں سے محفوظ رکھ سکیں جو وطن و مذہب دونوں کا دشمن ہے، اشتراکیت اور کمیونزم کی اس لڑائی میں خوش قسمتی سے جہاں اہل جرمنی کو ان کی قومی خصوصیات اور کردار سے مدد ملی ان کو جرمنی کے دو مضبوط اور قوی مذہبی عناصر سلافیوں اور

Marfat.com

تینوں نوں کے مابین کش مکش اور چپقلش کے فقدان سے بھی ملی۔ جو بڑھ بڑھ کر ڈینگ مارتے تھے کہ صرف وہی لوگ زمانۂ حال میں ایشیا کی طرف سے حملہ آور بربروں کے مقابلہ میں یورپی تہذیب و تمدن کے محافظ اور پاسبان ہیں۔

بہرحال سامی کہلانے والے یہودیوں کے خلاف جنگ میں اہل جرمنی کو دوسری چیزوں کے علاوہ آریائی نسل کی دعوت کچھ زیادہ مہنگی پڑی اسی طرح بعض دوسرے اسباب و وجوہ کے علاوہ میدان جنگ میں شکست کھا جانے کے بعد اہل جرمنی کے نخوت و غرور کے جذبہ کو سہارا دینے اور اُبھارنے کا کام بھی خاصا مہنگا پڑا جس کی وجہ سے ان کو اپنے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں میں جرأت و ہمت کی رُوح پھونکنے اور ان کو بار بار یہ جتانے کی ضرورت پیش آئی کہ وہ ہی فتح و ظفر کے اہل ہیں عارضی ناکامی اور شکست کو اپنا مقدر نہ سمجھیں۔ اس لیے کہ وہ دنیا میں سروری اور سرداری کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

اور ان کی آریائی نسل ہر قسم کی جنسی کھوٹ اور نسلی برائیوں سے پاک ہے ان کے دل و دماغ میں یہ بات بھی بٹھا دی گئی کہ وہ بہت جلد اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے بشرطیکہ اشتراکیت پسند افسران و اہلکاران کی طرف سے خیانت کا ارتکاب نہ ہو نیز یہودیوں اور صاحبِ ثروت لوگوں کی جانب سے بھی خیانت و غداری نہ ہو۔

بہرحال اہل جرمنی میں عنصر و نسل کی بے لگام دعوت کم عقلی اور ناپختہ ہوس کا ایسا ہی نمونہ بن گئی تھی جیسا کہ صاحب عقیدہ لوگ تعصب اور

Marfat.com

کم ظرفی کا نمونہ بن جاتے ہیں چنانچہ ان میں آریائی خون اور نسل کا زعم اور جنون اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ وہ اسی کو حکومت کا فلسفۂ اخلاق کی بنیاد و اساس اور فنون و آداب کا مدار سمجھتے تھے - ان کا کہنا تھا کہ حکومت زندگی کا ایسا تعمیری ڈھانچہ ہے جس کی آبیاری کے لیے قومی خون اتنا ہی اہم اور ضروری ہے جتنا جسم انسانی کے لیے اعضاء و جوارح ضروری ہوتے ہیں - اور یہ کہ قوم کے رہنما اور لیڈر کو حکومتی ڈھانچہ کی تعمیر و ساخت کی مضبوطی و استحکام میں خالق فطرت کی طرف سے بھی ہدایات اور تائید حاصل ہوتی ہے چنانچہ ہٹلر اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ہم ایسا مغرور و مفتخر آریائی معاشرہ ہیں جو حکومت کو حیات ابدی کا سر چشمہ سمجھتے ہیں اور اس کا ہمارے ارادہ سیاسی تربیت اور تدوین قانون و انتخاب میں کوئی دخل نہیں ہے۔

غرضکہ اسی قسم کی شدید عنصریت اور نسل پرستی کے پُر غرور دعوؤں نے متعدد نفسیاتی اور سیاسی اسباب کے ساتھ مل کر ان کو غلو و مبالغہ کی اس خطرناک حد تک پہنچا دیا تھا جہاں تک کہ زمانہ ماضی میں کسی کا وہم و گمان بھی نہیں گیا تھا وہ اجناس بشری کی طبقات در طبقات تقسیم کو اس حد تک لے گئے تھے کہ انہوں نے انسان جیسی اشرف المخلوقات کا رشتہ بندروں کی ارذل ترین قسم سے جوڑ دیا تھا - لیکن وہ خود کو آریائی نسل کا منتخب پسندیدہ اور خاص الخاص گروہ کا حصہ سمجھتے تھے اور تمام تر صنعتی ترقی اور تہذیبی و تمدنی عروج کو آریائی نسل کے مخصوص طبقہ سے منسوب کرتے تھے جو خواہ وطن میں مقیم ہو خواہ وطن سے دور کسی اور جگہ

Marfat.com

بحیثیت مہاجر مقیم ہوا اور شاید عنصریت اور نسل پرستی کے دعوے داروں کے
اس غلو و مبالغہ کی وجہ ہی سے اس طریق فکر کے نقاد کو اقوام و اجناس کی
خصوصیات کے انکار کا موقع ملا ہے جس کے باعث انہوں نے اُن
کے تمام دلائل و براہین کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا ہے
اب ہم ان اسباب و وجوہ کو پیش کرنا چاہتے ہیں جو جنس و نسل کے مسئلہ
میں علمی حقائق کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں اس لیے کہ ان اسباب سے
واقفیت و آگاہی حقائق علمی کو اجنبی اور نامانوس عناصر سے پاک وصاف
کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔ اس کے علاوہ اس سے معقول بحث
کی راہ ہموار ہو جائے گی اور فکر و شعور کے دائرہ کو بھی وسعت ملے گی۔
چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اولاً ہم اس یقینی دعوے کے شکوک وشبہات
کے اسباب و دواعی کی طرف جو کہ بہت زیادہ ہیں توجیہہ مبذول کریں کیونکہ
حقیقتاً یہی اسباب نسل پرستوں کے دعوے میں شکوک وشبہات کو دعوت
دیتے ہیں اور ان کے تمام عقیدوں کو باطل ٹھہراتے ہیں جن پر نہ صرف
ان کا پختہ ایمان ہے بلکہ ان پر ایمان لانے کی ضرورت کا ان کو حد سے زیادہ
احساس بھی رہتا ہے چنانچہ آریائی عنصریت یا نسلیت میں منجملہ دیگر اسباب
شکوک کے ایک سبب یہ بھی ہے کہ مزعومہ آریائی عنصر کا وجود اس طرح
کا قطعاً کہیں نہ تھا کہ گویا ان کے مزعومہ خیال کے مطابق منجملہ دیگر اعلیٰ
موروثی نسلوں کے وہ خود بھی اعلیٰ مخصوص موروثی نسل اور برتر سلسلہ
نسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس مژدہ میں کسی

Marfat.com

قوم کی تخصیص کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے بلکہ اس میں تمام اقوام بلا اختلاف مرز و بوم شریک ہیں ان سب کو ایک اصل کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ عنصری یا نسلی خصائص میں قومیں صرف اسی انداز پر ایک دوسرے کے مشابہہ ہوتی ہیں جس طرح لوگ وطنوں اور رنگوں کے اختلاف کے باوجود ایک زبان بولتے ہیں۔

انگریز عالم جولین ہکسلے نے براعظم یورپ کی نسل یا جنس کی بابت گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ جنسیت و نسلیت کے مدعی صاحبان جرمنوں، آریوں اور شمالی اقوام کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ سب لوگ ایک ہی نسل سے ہیں یہ بات نہایت مشکوک اور حقیقت سے بعید معلوم ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے ایک بشری نمونہ ایسا موجود ہے جو شمالی نمونہ کے نام سے مشہور ہے اور جو یورپ کے شمالی اقطار و اکناف میں جزائر برطانیہ سے لے کر روسی سرحد تک پھیلا ہوا ہے لیکن یہ نمونہ جو پاکیزگی اور صفائی میں اسکنڈے نیویا کے بعض ممالک سے بہت کچھ مشابہہ ہے کبھی اپنی تہذیب و حضارت علمی تحقیق یا کسی تاریخی آلہ کی ایجاد کے لیے مشہور نہیں رہا مثال کے طور پر اگر تین ہزار سال قبل کے برطانیہ عظمیٰ کے پتھر کے دور کی طرف رجوع کر کے دیکھا جائے تو اس وقت کے برطانیہ میں ہمیں بحرابیض متوسط کے دور کی وہ تہذیب نظر آتی ہے جس کو اُن کے عزیز و اقارب نے جزیرہ نمائے ایبیریا موجودہ اندلس میں پہنچایا۔ وہاں سے یہ تہذیب فرانس پہنچی اور فرانس سے برطانیہ عظمیٰ میں وارد

Marfat.com

ہوئی اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان نے تہذیب و حضارت کی طرف اس وقت قدم اٹھائے ہیں جب اس نے کھیتی باڑی، تعمیر مکان اور نقل و حمل کے لیے پہیہ والی گاڑی کا استعمال شروع کیا اور اس کا آغاز بحر ابیض کے قرب وجوار میں ہوا جہاں گندمی رنگ کی وہ قوم آباد تھی جو شمالی اقوام کی نسل سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ جرمنی کی مشہور و معروف ہستیاں مثلاً گوئٹے، بیتھوفن اور کانت جیسے لوگوں کے سر گول اور قد وقامت درمیانہ تھے۔ درآنحالیکہ نپولین بونا پارٹ، شکسپیئر آئنسٹائن اور گلیلیو جیسے دسیوں آدمی اس شکل و صورت اور ہیئت کے نہ تھے جیسا کہ شمالیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ زردی مائل سرخ رنگت اور خوب صورت کشیدہ قامت شمالی قومیت یا مزعومہ آریت کے کسی بھی دعوے دار لیڈر یا رہنما کا نہیں تھا۔ چنانچہ ہٹلر گندم گوں تھا، گوئرنگ ٹھنا ور اور موٹا تھا، گوبلز پستہ قد اور بدشکل تھا اور جنگ کے ان لیڈر و رہنماؤں میں جو مشرقی البانیہ کے باشندے ہیں سلافیون اور تیوتون کی ملی جلی خوب صورتی اور صلاحیتیں پائی جاتی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ تمام اقوام عالم پر جرمنوں کی سروری اور سیادت کے سب سے بڑے داعی کہلاتے ہیں۔ علماء اجناس اور اوصاف انسانی کے ماہرین کا جس طرح ایک خاندان میں نسلوں کی تقسیم پر اتفاق ہے اسی طرح ایک خاندان کی مکمل اور بے داغ اصلیت کی کمیابی و ندرت پر بھی ان کا اتفاق ہے۔ چنانچہ براعظم یورپ اور اس کے قرب وجوار

Marfat.com

کی سفید جنس اگرچہ ایک ہی عنوان کے ماتحت آتی ہے لیکن وہ نوردیہ، البیہ اور بحرابیض متوسط کی نسلوں اور خاندانوں میں منقسم ہے اور بحرابیض متوسط کی یہ آخری نسل جو ایک ہی عنوان کے دائرہ میں آتی ہے ایبیریا، لیبیا اور لغاریہ کے رہنے والوں میں منقسم ہے اور سیاہ جنس والے تمام اجناس بشری میں ایک ممتاز نسل ہونے کے باوجود بعض صفات میں مختلف ہیں اگرچہ رنگ وغیرہ میں دوسروں سے ایک گونہ مماثلت بھی رکھتے ہیں کالے رنگ کے قبائل اگرچہ آسٹریلیا میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن وہ افریقی قبائل سے اپنے موروثی عادات وخصائل میں بالکل مختلف ہیں یہی نہیں بلکہ وہ چہرے کے خدوخال اور اخلاق میں ان پڑوسی کالوں سے بھی خاصے مختلف ہیں جو براعظم افریقہ کے فرزندوں میں ہی شامل ہیں۔ چنانچہ بوشمان اور ہوٹنٹاٹ دونوں سیاہ فام افریقی قبائل ہیں۔ لیکن ان میں سے اول الذکر پستہ قد، اچھل کود کرنے والے شکار کے شوقین اور جدال وقتال کے دھنی ہیں جب کہ موخرالذکر قبیلہ کے لوگ بالعموم گدڑیے اور چرواہے ہوتے ہیں اور ایک جگہ قیام کر کے رہنے کی طرف مائل رہتے ہیں اور ان کے پڑوس میں ایسے حبشی النسل کالے آباد ہیں جو ان بانٹو قبائل کی اولاد ہیں جو جنوبی سوڈان کے علاوہ صحرا کے بعض ملکوں میں مغربی ساحلوں تک آباد ہیں۔ یہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں سفر کا بندوبست کرانے والے لڑنے بھڑنے والے، کاشت کاری کرنے والے ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر بسنے والے اور صلح صفائی کرانے والے وغیرہ سبھی قسم کے لوگ

Marfat.com

شامل ہیں۔ اور ان کے مابین زبان اور لب ولہجہ کے فرق کی طرح ان کے خدوخال شکل وصورت اور اخلاق وعادات میں بھی باہم بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ غرضکہ ان متواتر مشاہدات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانی نسلیں ہجرت وانتقال اور مسلسل کئی نسلوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کبھی اپنی وحدت اور انفرادیت پر باقی نہیں رہتی ہیں بلکہ اپنی خصوصیات اور ترجیحات میں بھی ایک دوسرے سے جُدا اور ممتاز ہوتی چلی جاتی ہیں بہرحال اس بات سے نسل پرستوں کے اس دعویٰ کی قلعی کھُل گئی کہ انسانی فضائل وخصوصیات کا انحصار صرف ایک ہی نسل میں ہے اور کبھی اس میں تبدیلی نہیں آتی ہے ان جنس پرستوں کے مزعومات وخیالات کے بارے میں ہمارے شک کو تقویت پہنچانے والی یہ بات بھی ہے کہ ایسی بہت سی فضیلتیں اور خصوصیات کے ذریعہ جو ان لوگوں کے نزدیک کسی خاندان کے ساتھ مخصوص ہیں ان مقامی یا اجتماعی عوامل کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے جن کا شمار وراثتی عوامل میں نہیں ہوتا اور ان سے ہماری مراد حیاتیاتی عوامل ہیں چنانچہ یورپی نسلوں کے بارہ میں ان کا یہ گمان کہ وہ نہ صرف معرفت نظریہ کی لگن اور محبت میں یگانہ روزگار ہیں بلکہ حقائق اشیاء کی بحث کا خوب ملکہ بھی رکھتے ہیں اور مجرد امور کے بارہ میں خوب خوب فلسفیانہ موشگافیاں بھی کرتے ہیں عام اس سے کہ اس سے انفرادی فائدہ مقصود ہو یا اجتماعی فائدہ، اسی لیے ان کا یہ خیال بھی ہے کہ شرقی شعوب وقبائل نہ معرفت علم سے کچھ زیادہ شغف رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ فلسفیانہ مباحث میں کچھ زیادہ کدوکاوش

Marfat.com

کرتے ہیں۔ البتہ علم سے تھوڑا بہت لگاؤ ضرور رکھتے ہیں تاکہ وہ اس سے اپنی صنعتوں میں کوئی ایسا مفید کام لے سکیں جو ان کی دنیوی زندگی میں ضروری ساز و سامان کی فراہمی میں ممد و معاون ہو سکے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ اسرار غیب اور قوانین وجود سے بحث و تمحیص قوی و مضبوط کہانت کے دائرہ میں آتی ہے اور یہ قوی اور مضبوط کہانتیں ذہن انسانی میں راسخ ہو کر اپنا دائرہ عقول انسانی تک بڑھا لیتی ہیں جن کے باعث عظیم اور مستحکم حکومتیں بڑے بڑے دریاؤں کے ڈیلٹاؤں میں قائم ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر ایک بڑا دریا کسی خطہ میں میسر آجائے تو اس کے دونوں کناروں پر ایک عظیم سلطنت کا قیام لابدی سمجھا جاتا ہے۔ جس سے زراعت و باغبانی کو فروغ حاصل ہوتا ہے، چاروں طرف نظر کے سامنے حسین اور خوب صورت مناظر ہوتے ہیں، امن و امان کی راہیں کھل جاتی ہیں اور تمام قومی اور ملکی معاملات خوش اسلوبی سے طے ہونے کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے غرضکہ جب ایسی عظیم اور خوشحال ریاست قائم ہو جائے تو اس کی بقاء و استحکام کے لیے صالح ذہنی استعداد و رحجانات اور درایتی اصول کا سہارا لینا بھی ضروری ہو جاتا ہے، اسی کے ساتھ کہانت کے فروغ معتقدات اور ذہنی رحجانات پر کنٹرول کرنے کے خیالات بھی حکمران کے دل و دماغ میں پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر و بیشتر یہ دونوں کام ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قدیم زمانہ میں بعض بادشاہوں کے ارباب انصاف اور اعیان حکومت کو حاصل ہوا کرتے تھے

Marfat.com

قدیم شرقی قوموں کی حکومتیں یونانی فلسفہ کے ظہور سے ہزار ہا سال قبل کہانت کے بل بوتہ پہ قائم تھیں حتیٰ کہ بالآخر یونانی فکر و فلسفہ کا دائرہ اس حد تک وسیع ہو گیا کہ مشرقی کہانتوں کے اُفق پہ منڈلاتے ہوئے سائے یونانی فلسفہ کے لیے سدِ راہ بن گئے۔ بہرحال اب یونانی ثقافت و حضارت کا فرق کھُل کر سب کے سامنے آ گیا تھا اور اگر سرزمین یونان نیل و فرات اور دجلہ کی وادیوں کے مابین اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بلاشبہ اس کے علائم و آثار اور نتائج ہی کچھ اور ہوتے غرضیکہ مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مضبوط و قوی کہانت نے یورپ میں پوری طرح جڑ پکڑنے کے بعد جو گہرے اثرات قائم کیے تھے وہ بالکل اسی قسم کے تھے جو شرق قدیم میں کہانتوں نے قائم کر دکھائے تھے چنانچہ جب کلیسا کے پوپ کے اثرات اور چرچ کی روایات یورپی اقوام پہ پوری طرح چھا گئیں تو سب کے ذہنوں پہ تالے پڑ گئے اور اُن کی عقلیں ایسی ماؤف اور بے کار ہو گئیں کہ وہ عرصہ دراز تک نظریاتی بحثوں میں حصّہ لینے اور حقائق موجودات میں غور و فکر کرنے کے قابل نہ رہے اور یورپ کی کہانت اپنی جدیدیت کے باوجود قدیم شرقی کہانتوں کے اس درجہ و معیار کو پہنچ گئی جہاں وہ نسلاً بعد نسلٍ عہد تاریخ کے آغاز کے بعد پہنچی تھی اسی طرح یورپ کے بعض عسکری ناقدین کے خیال میں یورپ کے لوگ شجاعت و بہادری اور میدانِ جنگ میں جوہر مردانگی دکھانے میں ایشیائیوں اور افریقیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور اس کے لیے ان کا استدلال یہ ہے کہ یونانی اپنی عددی قلّت کے باوجود اہل فارس پہ

Marfat.com

ان کی کثرت کے باوجود ماراتون اور سلامیس کے معرکوں میں فتح یاب ہوئے۔

جدید عسکری ناقدین نے مذکورہ بالا دونوں معرکوں کے متعلق وطنی فخر و مباہات کا نعرہ بلند کر کے جو طفلانہ کھیل کھیلا ہے اس میں غلو اور مبالغہ کے سوا کچھ نہیں ہے یونانیوں کو خیالی بہادری اور شجاعت کا لباس پہنا کر مستند تاریخ کے دائرہ سے نکال کر ہومری میدان جنگ میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

بہرحال دارا کسی دن بھی یونان کی سرزمین پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کرنے کا خیال اپنے دل میں نہیں لایا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یونان کی بنجر سرزمین نہ تو قابل زراعت تھی اور نہ ہی اس میں تجارتی کاروبار کے عمدہ مواقع تھے پھر اس کو اس ملک سے کسی قسم کا عسکری حملہ کا خطرہ بھی نہیں تھا، البتہ اس کی یہ آرزو اور خواہش ضرور تھی کہ وہ ارتیریا اور ایتھنس کو سبق ضرور سکھائے اس لیے کہ ان دونوں علاقوں نے یونان کی مدد کرنے کی جرأت کی تھی اور یونان کو ایشیائے کوچک پر چڑھا کر لائے تھے چنانچہ اس نے اس موقع کو غنیمت جان کر ظالموں اور ایتھنس میں حریت کے طرفداروں اور حمائتیوں کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یونان کے متمرد و سرکش گروہ کی طرف سے دارا کا ساتھ دینے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایشیائے کوچک کے انقلاب اور شورش کو سختی سے کچل دیا اور پھر اس کے بعد ارتیریا پر حملہ آور ہوا اور اس کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اور وہاں کے باشندوں کو قیدی بنا لیا اور ان کو وہاں سے جلاوطن کر کے فارس کے ساحلوں کی طرف روانہ کر دیا جہاں اُن کے ساتھ

Marfat.com

غلاموں کا سا سلوک کیا گیا اس کے بعد وہ ایتھنس کی طرف روانہ ہو گیا اس کے اندازے کے مطابق وہ آپس میں پھوٹ اور تفرقہ کا شکار تھے اور جلد از جلد ہتھیار ڈالنے کے لیے بے تاب تھے۔ اگرچہ ان کی پسر اندازی کی یہ کوشش صرف چند گروہوں اور ان کے لیڈروں کی جانب سے تھی، لیکن بہرحال جب یہ امر وقوع پذیر ہوا جس کی توقع نہ خود یونانیوں کو تھی اور نہ اہل فارس کو اور جب ایتھنس کے باشندے اپنے ملک کے دفاع پر متحد ہو گئے تو دارا نے محاصرہ کو طول دینا نہیں چاہا کیونکہ اس کا مقصد در اصل شہر کا سقوط تھا بھی نہیں۔ اس نے ان کی جانب سے وہاں ایسا کوئی ناپسندیدہ فعل بھی نہیں دیکھا تھا جس کے باعث ان کو ظلم و سختی اور دست درازی کا مستحق سمجھتا تھا۔ لیکن جہاں تک معرکہ سلامیس کا تعلق ہے اس میں کسی ڈپلومیسی یا تدبیر سے کام نہیں نکلا۔ اور آخر کار مقابلہ اور جنگ کی نوبت آ گئی چنانچہ اہل فارس نے ماراتون کے معرکہ سے نمٹ کر مصری شورش دبانے کی طرف توجہ دی پھر اس کے بعد زرکسیس یونان سے جنگ کرنے کے لیے ایسا عظیم لشکر لے کر نکلا جس میں مختلف النوع نسلوں کے قبائلی شامل تھے لیکن یہ لشکر اتنا بڑا ابھی نہ تھا۔ جتنا یونانی اس کو سمجھ رہے تھے۔ بہرحال اس لشکر کی ضخامت جہاں اطمینان بخش تھی وہاں مختلف اجناس اور نسلوں کے لوگوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے دارا کے کمانڈروں کے لیے قدرے باعث تشویش بھی تھی اس لیے کہ ایک ہی قبیل کے بڑے سے بڑے لشکر کی قیادت بہ نسبت اس لشکر کے جس میں مختلف الاجناس اور متنوع خواہشات

Marfat.com

رکھنے والے لوگ شامل ہوں، آسان ہوتی ہے علاوہ ازیں ان کو اس لیے بھی قدرے تشویش ہوئی کہ اہل فارس کا لشکر اپنے ایسے بحری بیڑے سے بھرپور رابطہ قائم کیے ہوئے تھا جس کی ڈیوٹی لازماً ساحل پر تھی اور جو حمل ونقل کا واحد ذریعہ اور اس کا واحد کفیل بھی تھا لیکن اب مشکل یہ درپیش تھی کہ لشکر اور بحری بیڑے کی ایک ہی گزرگاہ تھی جس میں ایک طرح سے دونوں پھنس کر اور قید ہو کر رہ گئے تھے اور اس حقیقت سے یونانی پوری طرح باخبر تھے چنانچہ جب دونوں بحری بیڑوں کا سلامیس میں آمنا سامنا ہوا تو اہل فارس کی کشتیوں کی کثرت اور ریل پیل خود ان کے اپنے بیڑے کے لیے سخت رکاوٹ بن گئی اور بجائے رحمت بننے کے زحمت کا باعث ہو گئی - اس لیے کہ پورے بحری بیڑے کا وہاں سمانا بے حد مشکل ہو گیا تھا حالانکہ زرکسیس نے اس طرف بڑھنے کا ارادہ ہی صرف اس لیے کیا تھا کہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ یونانی بیڑے کے کمانڈروں میں سخت بے چینی اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی حربی کونسل میں لڑائی کے میدان سے واپس چلے جانے کا اعلان بھی کر دیا تھا - بہرحال جب لڑائی شروع ہوئی تو قبل اس کے کہ یونانی کمانڈر اپنی کشتیوں میں واپس چلے جاتے میدان معرکہ کی یہ بھیڑ بھاڑ خود یونانیوں کے حق میں رحمت اور بے حد مفید ثابت ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل فارس کے لشکر کو کھانا پہنچنا تقریباً ناممکن ہو گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل فارس کے بیڑے کی بہت سی کشتیاں اس معرکہ میں پہلے ہی ضائع اور تباہ ہو چکی تھیں نتیجتاً زرکسیس نے اس

Marfat.com

مقابلہ اور بحری جنگ سے دست کشی اختیار کر لی ۔حالانکہ وہ ایتھنس کی بری لڑائی میں فتح مند اور کامیاب ہو چکا تھا بہر حال اس میں شک نہیں کہ آج جو افتاد اہل فارس پر پڑی تھی ان معرکوں میں اگر یونانی بھی اسی پوزیشن میں ہوتے تو وہ بھی اسی مشکل صورتِ حال سے دوچار ہوتے جس کا سامنا اہل فارس کو کرنا پڑا تھا ۔غرضیکہ سارا مسئلہ خاندانی نجابت و شرافت فضائل و مناقب اور قوم کے مرکز و معدن کے اختلاف کا نہیں ہے بلکہ اختلاف اموال و ملبوسات کا ہے اور جو لوگ لشکریوں اور فوجیوں کے جنسی و نسلی اختلاط کی آفت و مصیبت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور سارا زور ایرانیوں اور شرقیوں پر دیتے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ صلیبی باوجود اپنی کثیر فوج اور یورپی نسل کے ساتھ مکمل ہم آہنگی رکھنے کے شرقیوں کے ہاتھوں شکست فاش کھا گئے حالانکہ ان کا تعلق صرف ایک ریاست سے تھا اور اسلحہ اور جنگی تیاری کے لحاظ سے صلیبیوں سے کمتر تھے جب کہ ایسے تمام مواقع پر صلیبی فوجیں عقیدہ کی قوت و حرارت اور ملی و قومی وحدت اور فوجی تیاریوں میں بھی کمزور نہ تھیں لیکن کیا اس کے باوجود آریتہ کے انوکھے دعوے دار یہ کہتے سنائی نہیں دیتے کہ اہل فارس قدیم آریائی نسل سے ہیں اور وہ جنوبی یونانیوں کے مقابلہ میں شمالی اقوام و امم سے زیادہ قریب ہیں چنانچہ فریڈرک ہرتز جیسا عالم بھی یاد دلاتا ہے کہ زنجیوں کا میل ملاپ اور اہل یورپ کے ساتھ ان کا اختلاط قدیم زمانہ میں بھی رہا ہے اور اگر اس سلسلہ میں ہم اپنی وہ تحریر نقل کریں جو ہم مفاخر اجناس کے سلسلہ میں

Marfat.com

اپنی کتاب "ساعات بین الکتب" کے دوسرے حصہ میں لکھ چکے ہیں تو شاید یہ بات کچھ اور زیادہ واضح ہو جائے۔

"زنجیوں کے جو آثار یورپ میں پائے گئے ہیں اس کا ثبوت وہ انسانی کھوپڑیاں ہیں جو المانیہ، بلجیکا، فرانس، کروایتا اور مراقیا میں ملی ہیں جب کہ انہی کے مشابہ کھوپڑیاں آٹھ سال ہوئے، جنوبی افریقہ میں بھی پائی گئی ہیں اور ان حقیر کالوں کے آثار و نشانات جبل آلپ میں بلینی کے عہد تک بھی باقی رہے ہیں جس نے ان حقیر کالوں کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور اپنے کلام کو ان کے افسانوں اور قصوں سے مزین کیا ہے۔"

اور چیمبرلین کا خیال تو یہ ہے کہ زندگی کے حقوق کا علم و عرفان دراصل آریوں کی خصوصیت اور فضیلت ہے جس کو کبھی سامیوں نے مشرق میں اس لیے متعارف نہیں کرایا کہ وہ مادی زندگی میں غرق ہو چکے تھے اور مال و دولت ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور دنیا وی ساز و سامان اور اس عالم ناسوت کی چمک دار زندگی پہ اس قدر فریفتہ تھے کہ نفس و رُوح کی تربیت سے قطعاً غافل ہو گئے تھے اس الزام کا مسکت جواب استاد ہر تز نے یہ دیا ہے کہ رومانوی شریعت اور حمورابی شریعت کے درمیان مقروضوں کے بارہ میں موازنہ و مقابلہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ رومانوی قانون کی تیسری تختی کی رُو سے قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقروض کا گوشت جسم کے جس حصہ سے چاہے کاٹ لے اور اگر قرض خواہ کئی ہیں تو وہ گوشت آپس میں تقسیم کر لیں اس کے لیے وہ مقروض کو بیڑیوں اور رسیوں میں

Marfat.com

جکڑنے اور اس پہ قبضہ کرنے کے بعد ستائیس دن کی مدت میں کسی دن بھی قتل کر سکتے ہیں۔ لیکن حمورابی شریعت کے مطابق مقروض قرض خواہ کی تین سال تک خدمت بجالائے گا اور حمورابی قانون اس خدمت کی مدت کے دوران اس کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا تاکہ مقروض کو کوئی ستا نہ سکے اور نہ ہی اس کو ہلاک کر سکے اس کے علاوہ دونوں قانونوں میں وہ واضح فرق بھی نوٹ کیا جائے جو دوسرے امور کی بابت دونوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مضطر و مجبور چور کو حمورابی شریعت میں معذور سمجھا جاتا ہے جب کہ رومی قانون میں ایسا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا اسی طرح رومانوی قانون میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فروخت کر دے جب کہ حمورابی قانون اور بابلیوں کے نزدیک باپ کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں اسی طرح شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر کسی لونڈی کو خرید لے یا اس کو اپنے لیے منتخب کر لے، لیکن ایسا کوئی حق بیوی کے لیے رومی قانون تسلیم نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس مقروض اپنے قرض خواہ سے اپنا قرض اس صورت میں کم بھی کرا سکتا ہے جب کہ اس کو کھیتی باڑی میں نقصان پہنچا ہو۔ لیکن رومانوی قانون مقروض کو اس قسم کا کوئی حق نہیں دیتا غرضکہ اسی طرح کے اور بہت سے امور میں جن سے حمورابی شریعت کے جذبہ رحم و کرم نیز دنیاوی ساز و سامان کے مقابلہ میں زندگی کی اعلیٰ قدروں کا اظہار ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں رومانوی قانون دنیا میں جبر و ظلم اور لوازمات حیات کو زندگی کی اعلیٰ قدروں پہ ترجیح دیتا ہے، مگر جیمبر لین یونان کو آسمان رفعت پہ بلند کر کے کہتا ہے کہ یونانیوں

Marfat.com

کے علوم و فنون اور ان کے فلسفہ کا تعلق ان کے اس آریائی رجحان طبع سے ہے جو انہی کا امتیازی خاصہ ہے اور اسی کے باعث وہ ایشیائیوں اور سامیوں سے ممتاز ہیں۔ جس کا جواب ہر ترزیہ دیتے ہیں کہ ارسطو کے زمانہ میں قدرت نے ایشائیوں کو فنون میں جو کمالات بخشے تھے ارسطو خود اس کے بڑے مداح تھے اس کے برخلاف وہ شمالی اقوام پر معارف فنیہ اور سیاست میں ایسے بانجھ پن کی بیماری کا الزام لگاتے تھے جو لاعلاج تھا علاوہ ازیں ہر ترز کا بیان ہے کہ یونانی مؤرخ توسیدید نے لکھا ہے کہ پورا یونان کسی زمانہ میں بربر کے قبضہ میں تھا اور ہیرو ڈوٹ کا بیان بھی ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں بربری زبان اپنے وطن کے بعض علاقوں اور اطراف میں سُنی تھی۔ اور بعض جدید علماء مثلاً کرشمر، کیلنج اور فک نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ ایشیائے کوچک اور یونان کے باشندے ایک ہی ایشیائی اصل اور نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ بعض یونانی مقامات کے نام اس زبان کے معلوم نہیں ہوتے وہ اسی طرح قدیم زبان کے مستثنیات معلوم ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں تمام اقوال اس امر پر متفق ہیں کہ فلسفہ یونانی کا سربراہ ارسطاطالیس ایشیائی اور سامی الاصل تھا اور اس کی تعلیم بھی مصری شہروں میں ہوئی تھی۔ اسی طرح مؤرخین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زینوں جو رواقی فلسفہ کا سربراہ کہلاتا ہے اصلاً ایشیائی تھا وہیں اس کی تربیت اور پرورش بھی ہوئی تھی بلکہ فیرٹ تو یہاں تک کہتا ہے کہ ہومر کا لفظ بھی سامی اور ایشیائی ہے اور " زومر" کا محرّف ہے جس کے معنیٰ مغنّی اور گانے والے کے ہیں اس کے علاوہ دوسرے فلاسفہ کے

Marfat.com

بارہ میں بھی بہت سی باتیں لوگوں سے منقول ہیں۔ ہوتزنے کبھی کسی قبیلہ یا جنس ونسل کے ساتھ ناانصافی نہیں کی اس کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ منصفانہ اور مساویانہ رہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خیال میں کسی بھی دو قبیلوں کے احوال وکوائف ہمیشہ کسی نہ کسی حد تک مشابہت ویکسانیت رکھتے ہیں اس لیے ان کے بیان میں ممکنہ حد تک احتیاط برتنا لازمی ہے۔ چنانچہ ہنی بال رنجی جس کو پیطرس اکبر نے منتخب کر لیا تھا اپنی خداداد ذہانت اور مسلسل کوششوں سے توپ خانہ کے انجینئر کے عہدہ تک پہنچا اور اس نے اشراف کے خاندان میں ایک شریف سردارہ خاتون سے شادی کر لی، خیال رہے کہ بوشکیں جوان دونوں کا پوتا تھا روس کا سب سے بڑا شاعر اور دُنیا کے بڑے شاعروں میں شمار ہوتا تھا اسی طرح ایک دوسرے شخص میلیمان زنجی نے بھی جو اٹھارہویں صدی میں نمسوی دربار سے منسلک تھا ایک شریف سردار کی بیٹی سے شادی کی تھی اور خود اس کی بیٹی بھی ایک شریف سردار سے بیاہی گئی تھی علیٰ ہذا القیاس ہیمبرگ کے ایک تاجر نے زنجبار کے سلطان کی بیٹی سے شادی رچائی تھی جو اپنے علم وادب اور ذہنی بیدار مغزی کی بدولت ایسے عروج پر پہنچی کہ جرمنی کے دربار میں اس کے مرتبہ واقبال مندی پر رشک وحسد کیا جانے لگا۔

حتیٰ کہ وہ اثر ورسوخ حاصل کرتے کرتے ایک دن فریڈرک کی ملکہ عالیہ کی گہری دوست اور رفیقہ وسہیلی بن گئی اور بالآخر اس کی ایک سوانح عمری بھی لکھی گئی جس کا عنوان تھا "ایک عربی امیرانی کی کہانی"

Marfat.com

غرضکہ جیسا کہ مشہور ہے "اب زنجی خون دومس کبیر اور دوس صغیر کی رگوں میں دوڑ رہا تھا ، ہرتیز کہتا ہے "تم کسی کو یہ کہتے نہیں سنو گے کہ سُرخ حمص یا نیلے حمص یا سفید گھوڑے اور گندمی گھوڑے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جو عبور نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن بنی نوع انسان کے مابین بالکل برائے نام فرق ہے اور وہ بھی توہمات اور قبائلی تعصّبات کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے ان کے درمیان اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف ڈگری اور درجہ کا ہے جوہر اور اصل کا فرق نہیں ہے اگر کوئی شخص دُوربین لگا کر بھی دیکھنا چاہے تو بھی اس کو یہی نظر آئے گا کہ بنی نوع انسان رنگوں کے بہت سے فرقوں کے باوجود طبعی طور پر قطعًا ایک ہیں اور مادہ کی یک رنگی کی بدولت تمام اقوام و امم کے افراد ایک دُوسرے سے ملتے جلتے اور باہمدگر مشابہ ہیں۔ ہرتیز کی یہ ایسی معقول بات ہے جو کسی سند یا دلیل کی محتاج نہیں ہے اور یورپ کے ان دعوے داروں کے غلو اور مبالغہ سے بھرے ہوئے دعووں کی قلعی کھولنے کے لیے بالکل کافی ہے جو یورپی اقوام کی فضیلت و برتری کے قائل ہیں۔ غرضکہ تاریخی واقعات علمی مباحث اور عینی مشاہدات میں سے کوئی چیز بھی ان نسل پرستوں کی تائید نہیں کرتی ہے جو تمام نوعِ بشری اور انسانی جنس میں سے صرف ایک خاص نسل اور منتخب جنس کے خاندان کے لوگوں کو فضیلت و شرف اور رفعت و عظمت کا مستحق ٹھہراتے ہیں غرضکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کرنا اور نسلی فخر و مباہات کے غیر حقیقی دعوے کرنا عقل و شعور کے سراسر خلاف ہے جس کی کبھی کسی علمی اور سنجیدہ

Marfat.com

طبقہ کی جانب سے تائید نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس سے عناصر و اجناس اور نسلوں کے مابین موروثی جسمانی خصائص اور نفسانی کیفیات کے فرق و اختلاف کی نفی بھی نہیں ہوتی ہے۔ یہ فرق ہمیشہ موجود رہے ہیں اور ہمیشہ موجود رہیں گے پھر بنی نوع انسان کے بعض افراد میں یہ فرق کچھ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اور بعض میں کم، بہرحال اس نوع کے فرق سے کلیتًا صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کبھی مختلف نسل و اجناس سے تعلق رکھنے والوں میں سے دو شخص اس قدر ایک دُوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں کہ ایک مخلوق کے لیے بھی ان میں فرق و تمیز کرنا بے حد دشوار ہو جاتا ہے لیکن کسی ایک وقت میں اُن کی مشابہت دُوسرے تمام اوقات میں عدم مشابہت کے منافی بھی نہیں ہے ، چنانچہ جب یہ کہا جائے کہ حیوان چار پاؤں پہ چلتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی انسان بھی چار پاؤں پہ چلتا ہو ، اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ حیوان بولنے پہ قدرت نہیں رکھتا تو ممکن ہے کہ بعض انسان بھی گونگا ہو ، علیٰ ہذا القیاس بعض پرندے ایسے ہی بولتے ہیں جیسے انسان بولتا ہے اور جب یہ کہا جائے کہ حیوان مسلوب العقل والتفکیر ہے تو ممکن ہے اس کے جواب میں بعض ایسے افراد پیش کیے جائیں جو عقل و فکر کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتے اور جب یہ کہا جائے کہ انسان اور حیوان اولاد پیدا نہیں کرتے ، تو جوابًا کہا جا سکتا ہے کہ کُتا اور بلا حیوان ہونے کے باوجُو اولاد پیدا نہیں کر سکتے۔ غرضنکہ بعض افراد میں مشابہت عام افراد میں اس کے بر خلاف ہونے کے منافی نہیں ہے ، مقررہ علم کی زبان میں کسی چیز کی جامع و مانع تعریف بہت مشکل ہے لیکن اس کے باوجود جامع و مانع تعریف کا وجود

Marfat.com

بہرحال پایا جاتا ہے اس سلسلہ میں سب سے محفوظ و مامون طریقہ وہ ہے جس کا ہم گذشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بعض عناصر نے فضائل و اخلاق میں اپنی یکتا و انفرادیت کا جو دعوئے کیا ہے وہ تاریخی علمی حقائق اور عینی مشاہدات کی کسوٹی پر پوُرا نہیں اُترتا۔ اس لیے کہ ایسا دعویٰ ہمارے نزدیک دعویٰ بلا دلیل ہوگا لیکن اس میں بھی شُبہ نہیں کہ خصائص اجناس میں اختلاف ضرور موجود ہے اگرچہ بعض افراد میں اس کا ظہور مختلف درجات میں نظر آتا ہے یہ امر مشاہدہ میں آنے کے علاوہ سراسر بدیہی بھی ہے کہ نسلی علیحدگی کا اثر عزت و وقار خانگی احوال و کوائف اور معاشرتی عادات و اطوار پر بھی پڑتا ہے، چنانچہ جو قوم سینکڑوں برس سے ہر قسم کے عوارضات کو دُور کرنے، ہر طرح کے عوائق و موانع کا مقابلہ کرنے اور بیرونیوں کی طرف سے ناگہانی حملوں کا دفاع و مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ دم آمادہ و تیار رہتی ہے وہ اس قوم کی مانند نہیں ہوتی جو ہمیشہ مصائب و آلام میں دوسروں کا سہارا لینے کی کوشش میں رہتی ہو اور خود کش مکش حیات میں حصہ لینے کی ہمت و حوصلہ نہ رکھتی ہو اور حتی الامکان مقاومت و مقابلہ سے گریزاں رہتی ہو جدید علم کے نقطہ نظر سے خلق یعنی پیدائشی اور خلق یعنی طبعی خصلت و عادت میں توارث کا تعلق ان جرثوموں سے ہوتا ہے جو مرد و زن دونوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ جرثومے ایک ہی قبیل کے افراد میں اسی طرح باہم متفاوت ہوتے ہیں جس طرح ایک ہی خاندان کے افراد میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں لیکن یہ بات بالتحقیق آج بھی نہیں کہی جا سکتی ہے کہ کتنا

Marfat.com

وقت ان عوارضات کو جو خانگی حالات اور معیشت سے پیدا ہوتے ہیں ان موروثی چیزوں کے تبدیل کرنے میں لگتا ہے جو جر ثوموں کی تکوین و تخلیق میں اور باپ دادا سے بیٹوں، پوتوں تک پہنچنے میں صرف ہوتا ہے اور نہ ہی بالتحقیق یہ بتا سکتے ہیں کہ نسلی جرثوموں کا اختلاف آیا گھریلو حالات اور معیشت کے طویل استقرار و استمرار کا نتیجہ ہے یا وہ تکوین و تخلیق میں اختلاف کے اصولوں میں سے کسی دوسری اصل کا نتیجہ ہے جو چیز ہمیں مشاہدہ سے صاف نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی چہرہ کی فراست بہت سی چیزوں کا پتہ بتاتی اور بہت سی باتوں پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی ذہن نشین ہے کہ یہ دلالت پہلے مرتبہ میں قوی طور پر اعصاب سے مرتبط رہتی ہے اور اس کے بعد ہڈیوں سے تم کسی قوم کی تاریخ سے کبھی دھوکا نہیں کھاؤ گے بشرطیکہ تم اس قوم کے فرزندوں کے چہروں کا بغور مطالعہ کرو۔ اور اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ وہ کم گوشت والا چہرہ جس میں گوشت اور خون کے خدوخال اعصاب اور ہڈیوں کے خدوخال پر غالب ہیں ایسی قوم کا چہرہ ہوتا ہے جو اپنے ماضی میں کم مصیبتیں اور صعوبتیں برداشت کرتی ہے اور کشمکش حیات میں بالعموم کم حصہ لیتی ہے ایسی قوم نفس و روح کی گہرائی اور دقتِ نظر سے بھی محروم ہوتی ہے اور اگر محتاط و دور اندیش چہرہ تمہیں گوشت و خون کی نرمی و نعومت کی طرف متوجہ کرنے سے قبل اعصاب و عظام کی متانت و سختی کی طرف متوجہ اور مائل کرتا ہے تو وہ اس قوم کے فرد کا چہرہ ہے جو مصائب میں ثابت قدم اولوالعزم اور حوصلہ مند رہتی ہے۔ ایسی قوم کے افراد عرصہ دراز تک سہل انگاری

Marfat.com

اور عیش پسندی سے دُور رہتے ہیں اور ہمارے لیے یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ چہرہ کی دُور اندیشی کے خد و خال کیوں اور کیسے وراثت میں پہنچتے ہیں۔ بہرحال اتنی بات یقینی ہے کہ ایسی قوموں کے چہرے جن کے عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ کی مردانہ وار زندگی پر عرصہ دراز گزر گیا ہو ان قوموں اور اُمتوں کے چہروں اور بشروں سے مختلف ہوتے ہیں جن کی زندگیاں عیش و کامرانی اور سہولت و آرام سے بسر ہوتی ہیں، چہرہ کو دیکھ کر استدلال کرنا اور حالات کو تاڑ لینا تمام حیوانات کا طبعی خاصہ ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہر حیوان سب سے پہلے اس حیوان پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے جو اس کے بالمقابل کھڑا ہوا ہے کہ آیا وہ صلح و مصالحت کا خواہاں ہے یا اس سے لڑنے اور چیلنج کرنے پر آمادہ ہے اور اگر چہروں سے ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی جو دوسروں کے نفوس و عقل میں ہے تو دوسری طرف سے جو کچھ ان کے نفوس و عقول میں ہے اس کا اظہار بھی نہیں ہوتا ہے، اور جس طرح مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے علم سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اجناس کی خصوصیات عرصہ دراز تک وراثتاً اولاد میں پہنچتی رہتی ہیں خاص کر اس صورت میں اس کا اثر اور بھی زیادہ ہوتا ہے اور مدت تک باقی رہتا ہے جب کہ اولاد کی شادی بیاہ کے سلسلہ کا انحصار بھی ایک ہی خاندان یا وطن میں قائم رہے اس کے علاوہ بعض ایسے اجتماعی اور معاشرتی عادات و اطوار اور رسوم و آداب بھی جو افراد میں معیشت کی یکسانیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ عرصہ دراز تک اسباب و علل کے زوال کے باوجود بھی باقی رہتے ہیں اور نتیجتاً اخلاف اپنے اسلاف سے

Marfat.com

یا اولاد اپنے باپ دادوں سے نقل و تقلید کے باعث یا تلقین و تعلیم کی بدولت اس سلسلہ کو برابر قائم رکھتی ہے ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تمام اجناس انسانی کی خصوصیات بیان کریں اس لیے کہ زنجی یا کالی نسل حبش کا ہماری اس کتاب سے براہِ راست تعلق ہے منجملہ اس انسانی اجناس کے ہے جو اپنی موروثی خصوصیات اور تقلید و معیشت کے اعتبار سے سب نسلوں میں ممتاز ہے اور حبش میں دوسری پانچ یا تین اصناف اجناس کی بہ نسبت اوصاف میں کم اختلاف ہے اب ہم یہاں زنجیوں اور کالوں کی ان چند نسلی خصوصیات و اوصاف کا ذکر کریں گے جو علم الاجناس کی بعض کتابوں میں درج ہیں اور زنجیوں کی جن معاشرتی خصوصیات کا ہم کو علم ہے ان کے ذریعہ ہم بعض امور کی تصحیح اور بعض امور کا اضافہ بھی کر سکیں گے کتاب "الاجناس القدیم" کا مصنف ڈاکٹر سائیس لکھتا ہے بلاشبہ حبشیوں یا کالوں کا چہرہ لمبوترا اور نتھنے کشادہ ہوتے ہیں۔ اُن کے رخسار بہت سخت مضبوط اور نمایاں طور پر اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کی ٹھوڑی سکڑی ہوئی اور پتلی ہوتی ہیں ان کے ہونٹ موٹے بھدے اور دانت بڑے اور مسوڑھوں میں مضبوطی سے جمے ہوئے ہوتے ہیں ان کی عقل ڈاڑھ گو جلد نکل آتی ہے لیکن دیر میں ٹوٹتی ہے ان کی کھوپڑی پھیلی ہوئی اور بازو لمبے ہوتے ہیں ان کی پنڈلی کا گوشت موٹا اور بھدا ہوتا ہے ان کے پیر کی ہڈی پھیلی ہوئی اور انگوٹھا کڑا ہوا ہوتا ہے فنون کی طرف اس کا میلان بالعموم کم ہوتا ہے البتہ وہ گانے بجانے کا بڑا دھنی اور عاشق ہوتا ہے، اس کی عادت یہ ہے کہ وہ احساس

Marfat.com

وشعور سے متاثر ہوتا ہے غور و فکر کی دعوت زنجی کو کچھ زیادہ متاثر نہیں کرتی کہا جاتا ہے کہ حبشی نوجوان چودہ برس کی عمر کے بعد کم ہی پیش قدمی کرتا اور سبقت دکھاتا ہے اس میں لطف و مہربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے اور یہ دونوں خصلتیں اس میں قدیم زمانہ سے اس کی غلامی کے دَور اور خدمت گاری کے زمانہ سے پائی جاتی ہیں ۔ فراعنۂ مصر کے پہلے خاندان کی طرف سے بہت سا سامان اور اشیائے خورد و نوش بھرتی کے شہروں میں غلاموں کی درآمد کے لیے بھیجی جاتی تھیں ۔ اس زمانہ میں درآمد شدہ چیزوں میں سب سے بڑی تعداد غلاموں کی ہوتی تھی اور جیسا کہ انجیل کے باب دوم اور باب تیس میں مذکور ہے آرمیانیج کی جان جس شخص نے بچائی تھی وہ حبشی تھا اور غلام تھا اسی طرح کوشی بھی حبشی تھا جو اس یہودی کا دادا تھا جس کا ذکر انجیل باب چھ اور تیس میں آیا ہے ۔

بہرحال مصری تہذیب کی طول طویل صدیوں میں اگر حبشیوں نے کوئی کام انجام دیا تھا تو وہ لوہا پگھلانے کا کام تھا ۔ مختصر یہ کہ بعض حبشیوں اور قبائلی زنجیوں کی معاشی زندگی میں پتھر کے زمانہ کے بعد لوہے کا زمانہ آیا اور دونوں زمانوں کے درمیانی وقفہ میں تانبہ وغیرہ کے زمانہ سے ان کو خلاف معمول کوئی واسطہ نہیں پڑا ۔ حبشی لوگ شدید ترین قسم کے روایت پسند مقلد مشہور ہیں اسی لیے وہ نہ صرف کبھی مصری تہذیب کے خلاف کسی رسم و رواج میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں بلکہ یوشمان کے ان قبائلی نوجوانوں کے آداب اور رسم و رواج کے خلاف بھی جانا پسند نہیں کرتے جو برِ اعظم افریقہ کے

Marfat.com

اقصائے جنوب میں آباد ہیں اس لیے کہ انہیں ہر چہار طرف دیوار پہ اس سانپ کے نقش اور تصوری خاکے بنے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا حکم تمام بوشمانی قبائل پر چلتا ہے حتیٰ کہ یورپ کا رہنے والا حبشی آج بھی اس کی طرف منسوب ہونے میں کوئی شرم و ندامت محسوس نہیں کرتا۔ چنانچہ جنوبی مصر میں ایسی ریتلی چٹانیں دیکھنے میں آتی ہیں جو جانوروں کے تصویری خاکوں سے آراستہ اور نقش و نگار سے پوری طرح ڈھکی ہوئی ہیں ان میں سے بعض بالکل نئی ہیں اور بعض بہت پرانی۔ ایک چٹان پہ تو ایسے تصویری خاکے اور نقش و نگار بنے ہوئے ہیں جو پانچویں خاندان کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن آخری نقوش پر فضائی عوارضات کی وجہ سے تھوڑی تبدیلی محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ بادی النظر میں دیکھنے والے کو ایسا نظر آتا ہے کہ شاید یہ کام حال ہی انجام پایا ہے لیکن پہلے رسوم کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پہ عرصہ دراز کا زمانہ گذر چکا ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ رسم و نشانات اور تصویری خاکوں کے علاوہ جس خاص جانور کا تصویری خاکہ اور نقش بار بار یہاں دیکھنے میں آتا ہے وہ زرافہ ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اقلیم جو مصر کی تاریخ کے آغاز سے بالکل خشک تھی اس میں زرافہ کے تصویری خاکے اور نقش و نگار ہمیں اس قدیم ترین عہد کی یاد دلاتی ہے جب یہاں کی سرزمین میں ایسی وسیع و عریض وادیاں تھیں جہاں بافراط پانی موجود تھا اور اس وادی میں خشک جیسے کانٹے دار درخت بکثرت ہوا کرتے تھے جنہیں زرافے بڑے شوق سے

Marfat.com

کھاتے تھے۔ ان تصویری خاکوں اور نقش ونگار میں جگہ جگہ راستے کے نشانات بھی اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح زمانے کے تصویری خاکے اور نشانات یہاں ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ راستہ کے نشانات یا علامتی پتھر لگانے کا دستور مصری کتابت کے موجدین کے ابتدائی دور میں کچھ زیادہ معروف نہیں تھا اور سرفلاندرس نے بھی یہ کہہ کر کچھ کم حق تلفی نہیں کی ہے جب وہ اپنی جان چھڑاتے کے لیے یہ کہتا ہے کہ یہ رسوم وخاکے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے دراصل وادی نیل کے مصری اسلاف کے ماقبل تاریخ کی چھوڑی ہوئی باقیات میں سے ہیں اور اس کی اس رائے کی تائید شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں کے ان سیاحوں کے انکشافات سے بھی ہوتی ہے جنہیں اسی طرح کے رسوم و نشانات اور تصویری خاکے جنوبی تیونس اور مراکش میں بھی ملے ہیں بہرحال جہاں اس سے ایک حالت کی تقریبی تاریخ کا پتہ چلتا ہے اس سے غلط سمت میں پڑ جانے کا امکان بھی ہے۔ غرضنکہ ڈاکٹر بونیٹ کو جزائر کے شہر دہران میں پتھر کا وہ آلہ جس سے یہ نقش ونگار بنائے گئے تھے بعض مرتسم پتھروں کے نیچے پڑا ہوا ملا۔ اور اس سے تھوڑے ہی فاصلہ پہ نیولوتی میں واقع ایک کارخانہ بھی دیکھنے میں آیا جہاں یہ آلات بنائے اور تیار کیے جاتے تھے اور اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قدیم مصر میں جو حجری آلات بنانے کی جدوجہد کی گئی تھی آج انہی آلات نے عہد جدید میں نہایت عمدہ اور نفیس ترین جدید آلات کا روپ دھار لیا ہے۔

پس مذکورہ بالا امور سے اس بات کا احتمال ہے کہ جس عہد میں صحرائے اعظم

Marfat.com

سرسبز و شاداب تھا وہاں بوشمانی نسل سے ملتی جلتی ایک اور نسل انسانی شمالی افریقہ میں اطلسیہ اور دریائے نیل کے سواحل کے مابین آباد تھی اور شاید قبائل اکاسین اور ان کے علاوہ وسط افریقہ کے گول سر والے قبائل بھی اسی قدیم ترین نسل کے باقیات معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو ان کے آبائی وطن سے زنجیوں اور حبشیوں کی غارت گری اور لوٹ مار نے جلاوطن کر دیا چنانچہ بانتو یا کافر قبائل کی یہ غارت گری برابر جاری رہی حتےٰ کہ ان لوگوں کو انہوں نے افریقہ کے جنوب میں چلے جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ لوگ اگرچہ اپنے دشمنوں سے جسمانی قوت وطاقت میں کمزور تھے لیکن ادبی خصوصیات میں یہ ان سے کسی طرح کم نہ تھے ان لوگوں کو ہر قسم کا فنی ملکہ حاصل تھا جو زنجیوں اور کافروں کو حاصل نہ تھا اور یہ ملکہ تصویری خاکے اور نقش ونگار بنانے کا تھا جب کہ حبشیوں کے بس کی یہ بات نہ تھی کہ تصویری یا نقش ونگار بنا سکیں یا بوشمان کے شہروں کی چٹانوں پر نشانات کی تکمیل کر سکیں اور جو پہاڑ صحرا کی شمال جانب سے حدبندی کرتے ہیں در اصل وہی قدیم ترین اور دور افتادہ لوبین قبائل کا مولد و مسکن تھے اور ابھی ابھی ہم نے اس پہاڑ کی تعریف بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اس نسل کی طرف منسوب ہے جو تمام سفید اجناس میں ممتاز و معروف ہے اور ہم نے اکثر و بیشتر انگلستان اور آئرلینڈ کے دیہات میں ان قبائل کی شاخیں ان کی ظاہری خدوخال کے مطابق پائی اور دیکھی ہیں اور وہ پیرانا نمونہ جو ہمیں ان قبائل میں دکھائی دیتا ہے ان مصری آثار و علائم کی بلا تردد توثیق کرتا ہے جیسا کہ اس کو اس کے وہ سفید خدوخال ظاہر کرتے ہیں جو

Marfat.com

آج تک علیٰ حالہ باقی ہیں۔

زنجی جنس کے اوصاف اور اس کی تاریخ کے بارہ میں ڈاکٹر سائنس کی گفتگو بڑی حد تک قرین صواب ہے جس میں غلطی کا بہت کم امکان ہے یا بالفاظ یہ ان سب میں صحیح ترین بحث ہے جو اس موضوع پہ ہو چکی ہے اور جو کچھ جدید اجناس کی بابت کتابوں میں اضافہ کر کے لکھا گیا ہے یا انسان کے دوسرے اوصاف کے بارہ میں لکھا گیا ہے وہ دراصل یا اسی موضوع کی قبیل تصحیح سے ہے یا قبیل تکمیل سے ہے اور ہم اسی کے متعلق ذیل میں مختصراً بیان کرتے ہیں۔

سیاہ فام لوگوں میں رنگ کی سیاہی ظاہری بشرہ ہی کے ماوراء یعنی جسمانی کھال یا جلد کی گہرائی تک نہیں پہنچتی ہے تمام انسانی اجناس میں لوگوں کے جسم یکساں اور مساوی رنگ کے ہوتے ہیں رنگ کی سیاہی صرف انسانی کھال کی اوپری جھلی تک محدود ہوتی ہے جو کھال سے ملی ہوئی ہوتی ہے جسے ہم بشرہ کہتے ہیں۔ یہ سیاہی اس اوپری جھلی سے سرایت کر کے اندر کی سطح تک نہیں پہنچتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم کھوپڑی کی تنگی اور وسعت کا مفہوم و مطلب بھی سمجھانا چاہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یورپین اقوام میں سفید جنس کی کھوپڑی نہ عام انسانی کھوپڑیوں سے بڑی ہوتی ہے اور نہ ہی ان قوموں کی کھوپڑی سے بڑی ہوتی ہے جو تہذیب و تمدن میں ان کے ہم پلہ نہیں ہیں اسی طرح اگر ہم دماغ کے قطر کا اندازہ کریں تو دماغ کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ تک قطر اگر سو ہے تو حبشی میں وہ ستر ہو گا اور

Marfat.com

یورپین میں اسی ہو گا اور مغربی جزائر کے باشندے یعنی سامیوں میں پچاسی ہو گا، علیٰ ہذا القیاس زنجی لوگ ہاتھوں کے لمبے ہوتے ہیں ان کے ہاتھ بعض اوقات اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ گھٹنوں تک پہنچتے ہیں ان کے بال اون کی طرح کے ہوتے ہیں جو تمام اجناس النسانی میں ان کی امتیازی اور خصوصی پہچان ہے لیکن جہاں تک اس قوم کی ثقافتی خصوصیتوں کا تعلق ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس قوم کے تہذیبی طور پر پیچھے رہ جانے اور دوسری اجناس النسانی کے تہذیب و ثقافت میں آگے بڑھ جانے کے متعلق غور کرتے وقت یہ نہ بھولیں کہ اس قوم نے اتنی تہذیب و ثقافت حاصل کر لی جتنی اس کو ضرورت تھی رہی عقلی طاقت اور قوتِ شعور تو یہ بالکل مختلف شے ہے اس کا تعلق تہذیب و ثقافت سے بالکل نہیں ہے اور اس میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے ہر ایک زنجی یا حبشی ریاضی میں جمع جوڑ اور تفریق و ضرب کو سمجھنے میں اسی طرح اپنے ذہن کو کام میں لاتا ہے جس طرح ایک مہندس یا انجینئرنگ کا ایک طالب علم سمجھتا ہے اور پانچ کو پانچ سے ضرب دینے کا نتیجہ ایک مہندس اور انجینئر کے لیے پچیس ہوتا ہے ایک حبشی کو بھی اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے یا چاروں ہاتھ پاؤں کی انگلیاں گننے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی -

معلوم ہوا ہے کہ سیرالیون کے قریب آباد قبیلہ "الوی" کے ایک حبشی النسل شخص نے اپنی ضرورت کے مطابق ایک خاص طریق کتابت بھی ایجاد کیا ہے جس نے اس کو ان تمام اسالیب کتابت سے بے نیاز کر دیا ہے جو

Marfat.com

دوسرے متمدن شہروں میں رائج ہیں۔ جہاں تک فنون میں حبشی کی شرکت کا تعلق ہے وہ بھی اس کی طبعی ضروریات اور اجتماعی معیشت کے تقاضوں کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہے اور غالباً ہا فلوک ایلیس نے اس قوم کے فنی ملکات کے متعلق مختصراً جو ریمارک لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے کہ "اس نے حضارت و ثقافت کا راستہ رقص کرتے ہوئے طے کیا ہے۔"

چونکہ رقص نغمہ کے بغیر نہیں ہوتا اور زنجی میں نغمہ کی ترنگ اور سُریلی آواز کا جذبہ طبعی طور پر کچھ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو بے خود بنا کر رقص و سرود کی طرف شدت سے مائل کر دیتا ہے وہ موسیقی اور گانے کا عاشق اور دلدادہ ہوتا ہے اور اس کے کان گانے کی آواز اور لَے سے بے حد مانوس ہوتے ہیں اور وہ ایک دو بار سُن کر ہی گانے کے بول یاد کر لیتا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم موسیقی اور غنا کے ملکہ اور گویّے کے تصحیح سُر کی کوششوں کے درمیان بعض ضروری فرقوں کو ملحوظ رکھیں۔ اس لیے کہ موسیقیت کی آوازیں تراکیب و تنوّع کے لحاظ سے اس درجہ پر پہنچ چکی ہیں جہاں وہ صحیح سُر کے ساتھ مل کر فطری رقص یا رقص جدید میں حرکات جسم کا پورا پورا ساتھ دیتی ہیں۔ حبشی اور زنجی بالعموم رقص سے بھرپور گانے کو بے حد پسند کرتا ہے اور خود اس میں مہارت حاصل کرتا ہے چنانچہ عصری تاریخ میں اس کی یہ حیثیت معروف اور مسلمہ ہے اس سلسلہ میں حبشی رقص کا وہ واقعہ بھی یہاں یاد آتا ہے جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس حبشی کے رقص کو دیکھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے بُلایا تھا اور یہ حبشی اپنی تیز طراری، ٹیک رفتاری اور رقص میں متواتر وپیہم حرکت کے لیے بہت مشہور تھا۔ اور جب زنجی دُوسرے فنون مثلاً مجسمہ سازی کی طرف راغب ہوا تو راگ اور سُر کو دُرست کرنے کی کوشش اور رقص وسرود کی رغبت نے جو پہلا خیال اس کے دل میں قائم کیا وہ یہ تھا کہ یہ کام غنا اور راگ سے بالکل مختلف اور جُدا ہے، بہرحال اس کی بنائی ہوئی تمام تماثیل اور مجسمے اس کے ذاتی مشاہدات حیات اور ماحول کے اثرات سے خالی نہیں ہوتے۔ مجسموں اور تماثیل کی اشاعت رہن سہن کے مقامات کی ہوبہو یکسانیت تصویری خاکوں، نشانات اور نقش ونگار سے آراستہ بنے ہوئے کپڑے وغیرہ زنجی وحبشی قبائل کی ایسی خصوصیات ہیں جن کو دیکھ کر کسی کو کوئی تعجب نہیں ہوتا ہے چنانچہ زنجیوں کے مجسمے خصوصیّت سے خطوط واشکال کا نادر نمونہ ہوتے ہیں۔ اس کو مجسمہ کے ابعاد ثلاثہ یعنی طول وعرض اور قرب وبُعد کی صحیح تقلید میں قطعاً کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ البتہ بُعدِ واحد کی تقلید وتجسیم میں اس کو قدرے دشواری پیش آتی ہے۔ اس کی تماثیل اور مجسموں میں ہمیں ایک نئی جہت ملتی ہے جو اس کو دُوسرے قدیم مجسموں میں معروف اور سب میں ممتاز کرتی ہے اور یہ جہت خوف اور تخویف کی ہے اور دراصل یہ بھی ایسی چیز ہے جس میں قطعاً کوئی ندرت وغرابت نہیں کیونکہ جب ہم زنجی کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں وحشی درندوں

Marfat.com

خوفناک جانوروں زہریلے سانپوں اور اژدھوں اور ارضی وسماوی آفات سے گھری ہوئی ملتی ہے حبشی کو اپنے بنائے ہوئے مجسموں سے جو سب سے بڑی غرض وغایت اور نفسیاتی تسکین حاصل ہوتی ہے وہ چہروں اور کھانے پینے کے برتنوں کو ایسے پُراسرار اور مہیب طریقہ پر مشابہت بخشنا اور رُوپ دینا ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں کو میدان جنگ میں سخت خوفزدہ کر کے دہشت میں مبتلا دکھا سکے، زنجی اور حبشی نے جدال وقتال کو بھی ہمیشہ ایک طرح کا فن سمجھا ہے کیونکہ اس میں بھی اس کو حرکات ریاضیہ رقص وسرود، سُروں اور غنا کی ہم آہنگی کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے چنانچہ کسی زنجی، حبشی کی نظر میں جسمانی ریاضت سے زیادہ حسین اور دلکش منظر اور کوئی نہیں ہوتا جب کہ وہ بذاتِ خود بھی جسمانی ورزش وریاضت کا مجسم پیکر ہوتا ہے اسی طرح جب ایک زنجی تیر اندازی کرتا ہے تو اپنے دونوں کندھوں اور ہاتھوں کی وضع قطع، سینہ اور پیٹ کی وضع قطع کے مابین تقابل وموازنہ کرتا رہتا ہے چنانچہ اس کا تیر نشانہ پر ٹھیک اسی جگہ لگتا ہے۔ جہاں کا وہ نشانہ لیتا ہے۔ زنجی بہت بہادر اور شجاع ہوتا ہے وہ ہمیشہ خود پیشقدمی کرتا ہے وہ نہ کبھی موت سے ڈرتا ہے اور نہ مصائب وآلام سے اس کے قدم ڈگمگاتے اور پیچھے ہٹتے ہیں کوڑے اس کے غیظ وغضب کی آگ کو بھڑکا دیتے ہیں۔ زنجی اس کا خون پینے کو تیار رہتا ہے جو اس کو سرنگوں کرنا اور ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ بڑا صابر اور حوصلہ مند ہوتا ہے اور عزم وہمّت سے مصائب کا

Marfat.com

مقابلہ کرتا ہے وہ نہ گریہ وزاری کرتا ہے اور نہ کسی سے فریاد کرتا ہے وہ آفات و آلام سے فرار پر موت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کو ایسی بزدلی سمجھتا ہے جو مردوں کے شایانِ شان نہیں ہوتی۔ جنگلی جانوروں، وحشی درندوں، خوفناک سانپوں، اژدھوں اور دائمی خطرات سے پُر زندگی نے اس کی عادات و اطوار پر زبردست اثر ڈالا ہے چنانچہ وہ ہمیشہ یا اپنے اُوپر دشمن کے حملہ اور اس کے جبر و ظلم کا انتظار کرتا رہتا ہے یا دوسروں پر اسی قسم کے وار کا منتظر رہتا ہے۔ مصائب و آلام کی صورت میں جب اس کو حوصلہ مندی اور ہمت کے ساتھ صبر کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ تو وہ اس کو بزدلی اور نامردی سے تعبیر کرتا ہے اور مصیبت پر صبر کو اپنی ذلت اور عار سمجھتا ہے وہ سچ بولتا ہے اور سچ کی تصدیق کو کردار کی خوبی سمجھتا ہے وہ وعدہ کا پکا ہوتا ہے اور ان عقائد و رسوم پر دل سے یقین رکھتا ہے جو اسے اپنے اسلاف سے اور باپ دادا سے ورثہ میں ملتے ہیں اور جن سے اکثر کا تعلق جادو ٹوٹکے یا ارواح خبیثہ کی عبادت سے ہوتا ہے وہ تعویذ گنڈوں اور ٹونے ٹوٹکے کا بھی اس لیے بہت اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ چیزیں اس کے خیال میں اس کو ارواح کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس وفاداری اور عہد کی پاسداری بھی حبشی کی فطرت میں داخل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تربیت اور نشو و نما ہی دراصل سردار قبیلہ کی اطاعت اور اس جادوگر کی اطاعت اور اس جادوگر کی خدمت و اطاعت شعاری پر ہوتی ہے جو اس کو اپنے علم کے ذریعہ مصائب سے بچائے

Marfat.com

رکھتا ہے اسی طرح حبشی غداری اور خیانت کا بھی کم مرتکب ہوتا ہے بشرطیکہ
اس کو یہ احساس ہو جائے کہ دوسرا شخص جو اس کا بار اُٹھا رہا ہے اس کے
ساتھ مہربانی سے پیش آ رہا ہے اور دوستی کا حق ادا کر رہا ہے لیکن وہ اس
وقت خیانت و غداری سے بھی گریز نہیں کرتا ہے جب وہ کسی سے اپنے
دل میں خوف محسوس کرتا ہے یا اس کا اطمینان قلب جاتا رہتا ہے اس وقت
وہ خطرات کی اس زندگی کی طرف واپس لوٹ جاتا ہے جس نے اس کو
ہمیشہ درندوں اور آفتوں میں رہ کر زندگی گزارنے کا عادی بنا دیا ہے یا
پھر ایسے وقت میں وہ جادوگر کے اُن پُر اسرار راہوں پر چل نکلتا ہے جو
اس کے زعم میں مصائب و آلام سے نکالنے کا فن جانتا ہے غرضکہ
کسی زنجی و حبشی پر جب بُرے حالات طاری ہوتے ہیں تو وہ شدید مایوسی کا
شکار ہو جاتا ہے اور اس کے دل کا سکون چھن جاتا ہے تو اس وقت وہ ایسے
حملہ آور کا کردار انجام دیتا ہے جو ہر طرف سے دھتکار دیا جاتا ہے اور
بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے چنانچہ ایسی حالت میں بے مہر دُنیا کی
مہر و محبت سے محروم و مایوس زنجی جو کچھ کر گزرتا ہے اس کے عواقبُ
انجام پر وہ قطعاً غور نہیں کرتا اس لیے ہمیں چاہیے کہ زنجی کی نگرانی کرنے
اور اس کی عجیب و غریب حرکتوں کا جائزہ لینے سے قبل یہ نہ بھُولیں کہ
ہم اس عجیب مخلوق کا جائزہ لے رہے ہیں جو ہماری خصلت و عادت
افتادِ طبع اور خلقت سے بالکل مختلف ہے۔ دراصل ہم ایسی بہت سی
چیزوں پر غرابت و ندرت کا حکم لگا دیتے ہیں جو ہماری توقعات پر

Marfat.com

پوری نہیں اترتیں - اسی طرح ہم ایک کام اپنی اولاد ، اپنی قوم یا اپنے ہم مشرب
وہم زبان لوگوں کے ہاتھوں انجام پاتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دھیان
بھی نہیں دیتے ہیں - لیکن اگر وہی کام کوئی اجنبی اور غریب الدیار شخص انجام
دیتا ہے تو ہمارے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کو وحشیانہ اور
غیر شائستہ کام قرار دے کر فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ایسا کام صرف اسی قسم کا
عجیب وغریب شخص ہی کر سکتا ہے ، چنانچہ زنجیوں اور حبشیوں کے علاوہ
دوسری عجیب وغریب اجناس کے لوگ اور ان کے احوال وکوائف بھی اسی
لحاظ سے سب کو عجیب اور انوکھے معلوم ہوتے ہیں اگر لوگ چاہیں تو جس
طرح چھوٹے اجتماعات کے حقائق ملاحظہ کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں بڑے
اجتماعات کے حقائق و واقعات ملاحظہ کرنے کی طرف بھی دھیان دیں -
کیونکہ ہم تمام لوگوں کو تقریباً سب ہی مقامات میں بعض بدنام آدمی کے
بارہ میں چہ میگوئیاں کرتے اور یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ اس کا اون سرخ ہے
جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی وہی کام کرتا ہے
جو دوسرا کرتا ہے اس کے بارہ میں لوگوں کی زبان سے یہ بات سنتے ہی
لوگ دوڑ پڑتے ہیں اور اس شخص سے لوگوں کو ہوشیار اور چوکنا کر دیتے
ہیں اور پھر اس کی برائیاں کر کے اس کو معاشرہ میں بدنام کر ڈالتے ہیں
جب کہ ایک دوسرا شخص بھی بعینہٖ یہی کام کرتا ہے لیکن اس کو مطعون وبدنام
کرنا تو در کنار رہا اس کے قبیح فعل سے لوگوں کو متنبہ اور ہوشیار بھی نہیں
کیا جاتا ہے لوگ بالعموم اس وصف کو ان روایتی چرواہوں کی زبان سے

Marfat.com

مستعار لیتے ہیں جو سُرخ بکری کے بچہ کو زجر و توبیخ کا نشانہ بناتے ہیں حالانکہ وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا جو سیاہ گورخر کے ریوڑ کے اس کے دُوسرے بھائی بند نہ کرتے ہوں لیکن اس غریب کا عیب تو سب کو نظر آتا ہے دوسرے کا عیب کسی کو نظر نہیں آتا اس لیے اوّل الذکر غریب اکیلا سزا پاتا ہے جب کہ دوسرا سزا اور عتاب سے محفوظ رہتا ہے، بہر حال سیاہ فام حبشیوں کے اخلاق و عادات میں بہت سی انوکھی اور عجوبہ چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ زنجی کے معیار علم و فراست کی بابت دور از کار اور غلط نقطہ نظر سے بحث کرنے سے گریز کیا جائے ایک نسل یا قوم کی ضروریات اور اس کے تقاضے دوسری نسل اور قوم کی ضروریات اور تقاضوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم کو اسے زنجی کے علم و فہم کا تصور نہیں سمجھنا چاہیے اگر وہ سفید یا گندھی نسل کے لوگوں سے علم ہندسہ، فلکیات، طبعیات اور کیمسٹری میں پیچھے ہے اور اس کی اس پس ماندگی کی وجہ بالکل ظاہر ہے اس غریب زنجی کو کبھی اپنے ملک سے باہر نکل کر وسیع سمندروں میں سیر و سفر کرنے اجرام سماوی کی حرکات کا مطالعہ کرنے، علوم فلکی کو جاننے اور فضائی کیفیات کو سمجھنے کے وہ مواقع نہیں ملے جو دوسری قوموں کو میسر آئے ہیں اسی طرح اسے مضبوط قلعوں اور عالیشان عمارتوں کے بنانے اور اس سلسلہ میں پتھروں کی تراش خراش کے فن سے بھی کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا کہ وہ فن تعمیر کے اصول و ضوابط سے اسی طرح آشنا ہوتا جیسے دنیا کی دوسری قومیں ان سے آشنا ہیں۔

Marfat.com

اس کو کبھی مانسونی ہواؤں کو پہچاننے، بارش کے اوقات و زمانہ کو جاننے، پانی کی گزرگاہوں اور پلوں پر قابو پانے کی بھی کبھی ضرورت نہیں پیش آئی جس کے لیے اس کو علم ہندسہ کو جاننے، انجینئرنگ پڑھنے، جامد و سیال اشیاء عمدہ فصل اور قحط کے اسباب دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی اسی طرح زنجی کو کبھی غذائی اجناس کی پیداوار اور اس کی کوالٹی کو بڑھانے ملبوسات کو تیار کرنے ان میں تنوع اور خوب صورتی پیدا کرنے، نیز برتنوں اور آلات کی صیقل و آرائش کی بھی کبھی اُس کو ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی کبھی اس کو کھانے پینے کی چیزوں کی حفاظت کرنے اور ان کو سڑنے اور خراب ہونے سے محفوظ کرنے کے طریقوں کے سوچنے کا خیال آیا اسی طرح اُس کو جنگی و حربی آلات بنانے اور ان میں تنوع پیدا کرنے حربی فنون سے آگاہی حاصل کرنے کا احساس بھی کبھی پیدا نہیں ہوا ان سب امور سے عدم دلچسپی اور لاپرواہی کا سبب ظاہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام زنجیوں اور حبشیوں کی معاشی زندگی کا نظام معاشرتی طور طریقے جنگی چالیں، حملہ کرنے اور مدافعت کے طور طریقے انوکھے ہونے کے ساتھ بالکل یکساں ہوتے ہیں ان سب امور سے انہیں نہ صرف واقفیت ہے بلکہ ان میں مہارت بھی ہے اس لیے انہیں ایک دوسرے پر فوقیت و برتری حاصل کرنے اور جدید زمانہ کی جنگی تکنیک سیکھنے اور اسلحہ کے استعمال اور اسالیب جنگ میں سبقت لے جانے کا بھی کوئی حوصلہ اور جذبہ نہیں ہوتا زنجیوں کو اپنی تمام

Marfat.com

ضروریات زندگی بغیر کسی جد وجہد کے باآسانی ان کے مسکن اور اس کے قرب وجوار ہی میں مل جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مقاصد اسرار حیات کے متعلق باقی اُلجھنیں ان کا مقررہ جادوگر دُور کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور اس کے اوامر و احکام پر بے چون و چرا عمل کرتے رہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی پوری زندگی اسی ڈھنگ اور نہج پر صدیوں سے یوں ہی گزرتی چلی آرہی ہے اور وہ اپنی اس زندگی سے پوری طرح مطمئن اور خوش ہیں جس میں اکثر و بیشتر اُن کو جنگ و جدل تعویذ گنڈوں اور طلسماتی کرشموں کا معمولاً سہارا لینا پڑتا ہے ان کی زندگی کے یہ طور طریقے سالہا سال اور قرنہا قرن سے اسی طرح چلے آرہے ہیں اور وہ ان میں تبدیلی کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں آج جو قومیں علم ہندسہ و انجینیرنگ، ہیئت و فلکیات، فن تعمیر اور کیمیا سے واقف ہیں اور عیش و کامرانی کے ساز و سامان سے آراستہ ہیں وہ ان چیزوں کے بغیر ایک دن گزارنے کا بھی تصوّر نہیں کرسکتیں اور اگر یہ لوگ براعظم افریقہ میں بود و باش اختیار کیے ہوتے اور اسی طرح کی زندگی کے عادی ہوگئے ہوتے جس طرح کی زندگی کے یہ زنجی اور حبشی عادی ہوگئے ہیں تو یہ بھی عیش و عشرت اور مسرت و شادمانی کی اس زندگی کا تصوّر بھی کبھی نہ کرسکتے اور نہ ہی ان کے دل میں ان چیزوں کے بارہ میں کبھی خیال بھی آسکتا، بہرحال اس میں شک نہیں کہ اگر زنجیوں نے بھی اسی قسم کی خوش حال اجتماعی زندگی گزاری

Marfat.com

ہوتی جیسی زندگی دوسری قوموں کے لوگ آج گزار رہے ہیں تو اسی قسم کی اختراعات و ایجادات کا سہرا ان کے سر بھی ہوتا جو موجودہ دور کی مہذب اور متمدن اقوام کا طرۂ امتیاز ہے۔ جہاں تک امراض کے علاج اور ادویہ کا تعلق ہے زنجی اسی فطری طریقہ علاج سے بیماروں کا علاج کرتے تھے۔ اور اپنے علاقوں میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے میں زنجیوں اور حبشیوں کو بڑی مہارت بھی تھی وہ نباتاتی طریقہ علاج کے علاوہ جادو ٹوٹکے وغیرہ سے نیز بذریعہ تنویم بھی علاج کرتے تھے۔

اگر ہم یہاں اس علمی و ادبی ثقافت کا تذکرہ کریں جس میں زنجیوں نے بھی اپنی استطاعت کے مطابق بھرپور حصہ لیا تو اس میں بھی ہمیں مایوسی نہیں ہوتی ہے بہرحال اس سلسلہ میں ان کی کوششیں کچھ کم قابل قدر نہیں تھیں انہوں نے علم و ادب کے میدان میں عمدہ کوششیں کیں ان میں عربی زبان کے چند ایسے فصیح و بلیغ اور مشہور شاعر مثلاً عنترہ، سحیم، عبد بنی حسحاس اور نصیب پیدا ہوئے جنہوں نے عمدہ رزمیہ شاعری کے ساتھ غزل و نسیب میں بھی شاعری کے جوہر دکھائے ان کی غزلوں اور گیتوں کا بڑا حصہ ایسا ہے جو مدت دراز تک عیش و نشاط اور رقص و سرود کی محفلوں کو گرماتا رہا ان شاعروں کا کلام آج بھی قدیم و جدید دور کے بڑے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلہ میں رکھا جا سکتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید زنجیوں اور حبشیوں کے ادراک و شعور کے فرق نے لوگوں کو ان کے بارہ میں اتنا گمراہ اور بدظن نہیں کیا تھا جتنا ان کے

Marfat.com

بجھے ہوئے سخت سیاہی مائل رنگ نے لوگوں کو ان سے برگشتہ و بدگمان کر دیا تھا ان کی عقلی اور خلقی کمزوری تو پہلے ہی لوگوں کی نظر میں کھٹکتی رہتی تھی ان کے ساتھ ہمیشہ جو بھی معاشی اور معاشرتی معاملہ کیا گیا اس میں نرمی اور رعایت کا پہلو کبھی لوگوں نے ان کے ساتھ اختیار نہیں کیا، غلاموں کی تجارت کرنے والے اور بردہ فروش ان کو بحر احمر، بحر ہند اور دریائے نیل کے راستے بلاد عرب اور نہرین کے ملکوں میں اسی طریقہ پر پہنچاتے رہے جس طرح وہ ان کو مصر و یونان اور روم منتقل کرتے رہتے تھے ابھی قدیم دنیا پر جدید زمانہ کے انکشافات اجاگر نہیں ہونے پائے تھے کہ وہ سیاہ علاقہ جو ہزارہا سال سے اس قدیم ترین قوم کا جدید اور آبائی مسکن تھا دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ چنانچہ جب اس سیاہ فام جنس کے اخلاقی فضائل مثلاً وفا، صبر اور قناعت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا تو ظالم بردہ فروشوں نے سیاہ فام زنجیوں کو امریکہ پہنچانا شروع کر دیا حتیٰ کہ انھوں نے چند سال بعد ریڈ انڈین کی یورپ کو منتقلی بھی قطعًا روک دی، اس لیے کہ ریڈ انڈین کے بارہ میں ان کا تجربہ ناکام ہو گیا تھا اس لیے کہ وہ ان لوگوں سے جو اپنا مطلب نکالنا چاہتے تھے اس میں اُن کی اُمیدیں پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھیں، غرضکہ سیاہ فام نسل کی تاریخ کے بارہ میں مختصراً جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی ایسی قدیم ترین جنس ہے جس کی قدامت کی تاریخ بہت پُرانی ہے اور جو نہ صرف اپنے ماقبل تاریخ کے زمانہ سے اپنی روایات، عقائد اور اصولوں میں بہت

Marfat.com

زیادہ غلو رکھتی ہے بلکہ ان پہ بڑے تشدد سے جمی بھی رہتی ہے یہ ایسی جنس ہے جس کی نشو و نما فطرت اوّل کی حدود سے کبھی آگے نہیں بڑھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ برِاعظم افریقہ کی معیشت اور عام زندگی کی حالت ہی ہمیشہ ایسی رہی جس نے ان کو کشف علوم شہروں کی تعمیر و آبادکاری اور صنعتوں کی ایجاد و اختراع کی طرف کبھی مائل ہی نہیں ہونے دیا لیکن اس پستی، زبوں حالی اور اپنی حالت پہ قانع اور صابر رہنے کے باوجود یہ لوگ ان فضائل و ملکات کے حصول سے کبھی غافل نہیں رہے جو اُن کی معیشت اور مستقل بود و باش کے مسکن اور زندگی کی بقا کے لیے ضروری تھے چنانچہ وہ کشمکش حیات اور تنازع للبقا کے لیے مقابلہ سے کبھی دست بردار نہیں ہوئے، وہ اپنی تنگ دستی کی زندگی میں بھی اپنے نفس کی طمانیت اور سرخوشی کے لیے اپنے غیر معروف اور مجہول ایمان و عقائد پر بھی مستقل مزاجی سے جمے رہنے میں بڑی راحت اور خوشی محسوس کرتے تھے چنانچہ شجاعت، وفا اور آلام و مصائب پہ صبر و استقامت ان کے کردار کی اچھی خصوصیات ہیں لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ اس بدنصیب قوم کے ساتھ انصاف کرنے اور رعایت برتنے کا خیال ہزار ہا سال گزرنے کے باوجود دنیا کی مہذب اقوام میں آج تک پیدا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ صدیوں کے ظلم و استحصال اور انسانی حقوق کے غصب ہونے کے بعد انقلاب برپا ہونے کے آثار شروع ہوئے۔ اور انسانی حقوق کے تحفظ و مساوات کی ایک تحریک شروع ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں

عیسائی مبلغین اور دوسری جماعتوں کی کوشش سے ایک کانفرنس جزائر برطانیہ میں منعقد ہوئی جس نے اقوام عالم کی توجہ نو آبادیات میں کالوں اور گوروں کے درمیان فرق و امتیاز دور کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اس کی حمایت و موافقت میں برطانیہ کے گرجاؤں کی کمیٹی نے بھی اپنی آواز بلند کی اور اُمید ظاہر کی کہ تعلیم اور تمام شعبہ ہائے حیات میں تمام اقوام کے ساتھ بلا امتیاز رنگ و نسل یکساں اور مساوی برتاؤ کیا جائے گا، یہ جنسی فرق و امتیازات امریکیوں کے مساوات کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی ہنوز قائم اور موجود ہیں۔ چنانچہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں میں کالوں اور گورے امریکیوں کے درمیان فرق و امتیازات از روئے قانون اور اور حکومت کے احکام کے مطابق قائم ہیں ان قوانین کی رو سے نہ کالے امریکی عام سواریوں میں گوروں کے ساتھ برابر میں بیٹھ سکتے ہیں اور نہ وہ ریسٹورانوں اور ہوٹلوں میں قیام کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جن اسکولوں میں گورے امریکیوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں وہاں کالوں کے بچوں کو اسکولوں میں داخلہ نہیں مل سکتا اور جب گوروں کے اسکولوں میں کالوں کے بچوں کے داخلہ کا قانون پاس ہوا تو اس قانون کے نفاذ کے بعد اس کی اصل حقیقت کھلی کہ یہ سب کچھ کاغذی کاروائی تھی۔ حقیقت میں کالوں کے بچوں کے ساتھ داخلوں میں اب بھی پہلا سا امتیازی سلوک جاری تھا۔ ہر گورے طالب علم کو قانون کے برخلاف

Marfat.com

جنوب کی نو ریاستوں میں تقریباً انسٹھ ریال سالانہ ملتے ہیں ۔جب کہ کالے اور حبشی طالب علم کو زیادہ سے زیادہ انیس ریال دیے جاتے ہیں اور مسیسپی ریاست میں تو یہ فرق کچھ اور زیادہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے وہاں کی حکومت ہر گورے طالب علم پر باون ریال خرچ کرتی ہے جب کہ زنجی طالب علم کو صرف ساڑھے سات ریال ملتے ہیں امریکہ کی شمالی ریاستوں میں اگرچہ بہت سے ایسے قوانین تبدیل کر دیے گئے ہیں جن سے کالوں اور گوروں میں فرق و امتیاز برتا جاتا ہے لیکن اس قانون کے باوجود کالوں کے ساتھ فرق و امتیاز رسم ورواج اور عرف و عادت کی بناء پر علیٰ حالہٖ اب تک قائم ہے چنانچہ کوئی کالا یا زنجی کسی بڑے ہوٹل میں قیام کرتا ہوا نظر نہیں آتا اور نہ گوروں کی اعلیٰ اور شان دار دعوتوں میں وہ شریک ہو سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی صاحب ثروت کیوں نہ ہو ۔ غرضیکہ مغربی تہذیب نے رنگ و نسل کے امتیازات رفع کرنے اور عدل و مساوات قائم کرنے کے لیے نہ کبھی بنیادی اقدامات کیے اور نہ عملاً ان کو نافذ کیا ، اس کے برعکس اسلام دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس نے آج سے چودہ سو سال قبل رنگ و نسل کالے گورے چھوٹے بڑے امیر و غریب اور عرب و عجم کی تمیز اٹھا دی اور بنی نوع انسان کے تمام افراد کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا اسلام نے مادی زندگی اور اس کی اقدار کو روحانی زندگی کی اعلےٰ اقدار کے ماتحت کر کے ہر قسم کی اونچ نیچ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

ایک طرف اس عدل و مساوات کا نمونہ اس کتاب کی عظیم شخصیت حضرت

Marfat.com

بلالؓ بن رباح ایک غریب و ضعیف غلام تھے اور دوسری طرف ابوبکر و عمر عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اسلام کے خلفاء راشدین تھے۔

اس کتاب کے مقدمہ کے بعد جو تاریخ اجناس اور جنس اسود کے بارہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت بلالؓ کی ذات گرامی کی سوانح کا مفصل تذکرہ ہے جس کے طفیل میں مغربی تہذیب کے نسل و رنگ کے مساوات کے کھوکھلے نعروں کے مقابلہ میں لوگوں کو اسلام کی بخشی ہوئی حقیقی اخوت و مساوات اور عدل و انصاف کا روشن جلوہ نظر آیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جن صفات کا مختصر حال اس کتاب میں درج کیا گیا ہے وہ وہی صفات ہیں جو سیاہ جنس کی پوری نسل میں پائی جاتی ہیں، ہمیں یہ کہنا کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ جو شخص ان صفات سے متصف ہوگا وہ لازماً اپنی خصوصیات کی بنا پر سیاہ جنس کا فرد ہوگا البتہ جو بات بالعموم کہی جاتی ہے اور وہ صحیح بھی ہے کہ اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان صفات کے حامل نہ ہوتے تو یہ بات عجیب و غریب اتفاقات میں شمار ہوتی۔ غرضکہ اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جلد سیاہ نہ ہوتی تو ان کی نفسی صفات میں ایسی علامات پائی جاتیں جو سیاہ جنس کے لوگوں میں عجوبہ نہیں سمجھی جاتی ہیں اس لیے کہ وہ ان ممتاز خصائص میں سے ہیں جو اجمالی نظر ڈالنے سے بھی ان میں نظر آجاتی ہیں، ان خصائص میں موسیقی کے ساتھ ان کا شغف ایمان، قربانی، ضد و عناد اور جسمانی تکالیف اور اذیتوں پر صبر اور غمخوار دوست اور ہمدرد

Marfat.com

شخص کے ساتھ وفاداری۔ لیکن سیاہ جنس والوں میں بھی وہ صفات بالعموم پائی جاتی ہیں جو ان کے جسمانی وجود میں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً ان کے ہونٹ موٹے اور بھدے نہیں تھے اور بجز سیاہ رنگ کے ان کے بال اون کی طرح کے اور سکڑے ہوئے نہیں تھے جو زنجیوں کی ممتاز خصوصیت ہے زنجیوں کے متعلق تاریخی تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کا امتزاج سامی یا عربی اجناس کے ساتھ خصوصیت سے ہے اس لیے کہ عربوں کی آمد و رفت سواحل افریقہ شرقیہ کی طرف قبل از اسلام عرصہ دراز سے قائم ہے، اور علماء اجناس میں سے وہ لوگ ہیں جو حبشیوں اور عربوں خاص کر یمنیوں کے ساتھ مضبوط روابط و تعلقات کی نشاندہی کرتے ہیں اس لیے کہ اہل یمن کا حبشہ کی طرف کوچ اور اہل حبشہ کا یمن کی طرف کوچ قدیم ترین زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ مولدین مکہ کے موالی میں سے تھے یا یمنی موالی سرداروں میں سے تھے ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ وہ سامی زنجی نسل سے تھے اور ان میں عربوں یا مستقرین کی خصائل و عادات پائی جاتی تھیں۔

---

Marfat.com

# عرب اور اجناس

گذشتہ فصل میں ہمیں مسئلہ عنصر و نسل اور اجناس کے فرق و امتیازات کے بارہ میں بعض علماء کے قول سے بڑا دُکھ پہنچا ہے عصبیت کے بارہ میں خواہ نسلی و عنصری ہو یا جنسی دو قول زیادہ مشہور ہیں اور بعض اوقات ان میں بھی ایسا التباس و اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک کو دُوسرے سے تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے بہرحال مفاخرت کبھی جنسی ہوتی ہے جس میں عداوت کا عنصر شامل نہیں ہوتا اور کبھی عداوت جنسی ہوتی ہے اور اس میں مفاخرت نہیں پائی جاتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مفاخرت قدیم زمانہ سے جماعتوں اور گروہوں کی طبیعت اور جبلّت کا خاصّہ رہی ہے بعض اوقات مفاخرت ایک ہی قوم یا اُمت میں ان کے متمدّن شہریوں اور سادہ لوح دیہاتیوں کے درمیان بھی پائی جاتی ہے یا شمال اور جنوب کے فرزندوں کے درمیان پائی جاتی ہے اور کبھی بڑے قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی شاخوں میں بھی جذبہ تفاخر موجود ہوتا ہے مگر ان میں دشمنی نہیں ہوتی۔ اور کبھی دشمنی ہوتی ہے تو تفاخر کا وجود نہیں ہوتا اور کبھی تفاخر پایا جاتا ہے تو ساتھ ہی دشمنی بھی ہوتی ہے حالانکہ یہ سب شاخیں ایک ہی جنس کی

Marfat.com

ہوتی ہیں اور ایک ہی اصل اور قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں ہمارے خیال میں مصر میں قاہرہ اور اسکندریہ کے باشندوں کے درمیان بڑی مفاخرت پائی جاتی ہے اسی طرح فرزندان صعید وریف کے مابین بھی جذبہ تفاخر موجود ہے اس کے علاوہ ان میں کئی دوسرے قسم کے تفاخر بھی پائے جاتے ہیں مثلاً لب ولہجہ اور ذوق ووجدان کا تفاخر مطعومات وملبوسات کا تفاخر وغیرہ مگر اس نوع کا فخر وتفاخر خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی حد سے بالعموم آگے نہیں بڑھتا۔ اسی قسم کا جذبہ تفاخر انگریزی، فرانسیسی، اٹلی اور جرمنی کے ممالک کے باشندوں میں بھی اکثر وبیشتر پایا جاتا ہے خواہ وہ ایک ہی اصل ونسل سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔ قبائلی عناصر ہزاروں سال سے اگرچہ ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے چلے آرہے ہیں لیکن ان میں منافست ومقابلہ زبانی مفاخرت اور کلامی مفاخرت کے درجہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ لیکن عنصری ونسلی مفاخرت عنصری ونسلی جوش وجذبہ تک بڑھ جاتی ہے اور جب انھیں کبھی مال غنیمت وغیرہ کے بارہ میں جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے تو تا وقتیکہ وہ ایک دوسرے کو ختم نہ کرلیں یا اس کو ذلیل نہ کر ڈالیں۔ جھگڑے کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آتی اور ان میں یہ عداوت اس وقت مدتوں چلتی ہے جب اس میں خون کے انتقام کا جذبہ اور غارت گری بھی داخل ہوجائے۔ کبھی مالِ غنیمت سے زیادہ ان لوگوں میں انتقام اور خون کے بدلہ کا بھوت بھی سوار ہوتا ہے، عربوں نے اپنے جزیروں میں اپنے پڑوسیوں کے غلبہ کے خوف وخطرہ سے مامون ہوکر زندگی گزاری ہے

Marfat.com

البتہ جزیرہ کے اطراف و جوانب سے ان کو ہمیشہ خطرہ لگا رہا عربوں کو اپنے پڑوسیوں سے تنازع کی کبھی ایسی صورتِ حال پیش نہیں آئی جو ان کو ہلاکت و استیصال سے دوچار کر دیتی وہ ہمیشہ اس طرح زندگی بسر کرتے تھے کہ اپنے پڑوسیوں کے مرتبہ اور درجہ کا بھی خیال رکھتے تھے اور پڑوسی بھی ان کے مقام و مرتبہ کا احساس رکھتے تھے اس لیے ان میں فخر و مباہات کا جذبہ تو برابر قائم رہا لیکن اس جذبہ نے کبھی شدید عداوت و مخاصمت کی صورت اختیار نہیں کی عربوں کی تاریخ فخر و مباہات کے جذبات سے بھری ہوئی ہے ان میں یہ جذبہ اس شدت سے پایا جاتا تھا کہ اگر وہ اس سے گلوخلاصی بھی حاصل کرنا چاہتے تو حاصل نہیں کر سکتے تھے ان کے پڑوس میں اہل فارس اہل روم اور مختلف قبائل آباد تھے جو صاحبِ ثروت تھے اور مال و متاع کے مالک تھے ، یہ عربوں کو ان کی غربت و تنگدستی کے طعنے دیا کرتے تھے اور ان کے لباس و خوراک کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور عرب بھی ان مملکتوں کی دولت و حشمت کی فراوانی اور اشیائے خورد و نوش کے ذخیروں کی بہتات سے ناواقف نہ تھے چنانچہ جب ان کو اُن قوموں کے مقابلہ میں فخر و مباہات کا موقع ملتا تھا تو ان کے مطعومات و ملبوسات اور حطام دنیوی کو نظرانداز کر کے اپنی فصاحت و بلاغت حسب و نسب اور اپنی سماحت و کرامت پر فخر کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں ان سب کو عجمی یعنی گونگا اور بے زبان سمجھتے تھے۔

مذکورہ بالا قومیں عربوں کے نزدیک مخلوط یعنی ملی جُلی قوموں اور

Marfat.com

نسلوں کا مغلوبہ تھیں اس لیے حسب و نسب کی اصلیت کے نقطہ نظر سے وہ ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ بہرحال عرب اپنی جن چیزوں پر فخر کرتے تھے انہی کو اپنی زندگی کا اصل سرمایہ سمجھے ہوئے تھے۔ اور انہی کے متعلق لن ترانیوں میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے ان میں آپس میں ان مفاخر کی بنا پر ایسی کوئی قابل ذکر لڑائی نہیں ہوئی جس میں وہ خود ہلاک ہوئے ہوں یا انہوں نے دوسروں کو ہلاک کر دیا ہو، عربوں کے فخر و مباہات کے بہت سے لطیفے منقول ہیں اور ان کے ایسے ادبی معرکے بھی مشہور ہیں جن میں ہنسی ہنسی اور مذاق میں خون خرابہ تک نوبت پہنچ گئی جب روم اور فارس کے لوگوں نے اپنے گورے رنگ پر فخر کرنا شروع کیا تو عربوں نے ان کو چھلا ہوا چہرہ قرار دیا اور جب رومیوں اور اہل فارس نے اپنے بھرے پڑے خوانوں اور دستر خوانوں کے حوالہ سے بات کی تو اس کے جواب میں عربوں نے اپنی جود و سخا اور سب کچھ لٹا دینے پر فخر و ناز کا اظہار کیا۔ غرضکہ اس میدان میں کبھی وہ دوسروں سے گوئے سبقت لے جاتے اور کبھی دوسرے ان سے بازی لے جاتے، بہرحال عربوں نے اس بات کا لوہا ضرور اُن سے منوا لیا کہ وہ صاحب فصاحت و بلاغت ہیں اور حسب و نسب کے بے تاج بادشاہ ہیں لیکن عربوں میں کبھی ایسی نسلی یا جنسی رقابت نہیں پائی گئی جیسی امریکہ کے گوروں اور ریڈ انڈین میں یا یورپ کے باشندوں اور براعظم آسٹریلیا کے باشندوں میں یا جیسی کسی زمانہ میں سلافیوں اور تیوتونوں کے درمیان مشرقی یورپ میں یا اسرائیلیوں اور کنعانیوں میں

Marfat.com

یا شمالی افریقہ کے ممالک اور اسپین کے باشندوں کے درمیان پائی جاتی تھی۔ جب میں کسی عربی کی زبان سے غلاموں کی بُرائی سُنتا ہوں تو جو خیال سب سے پہلے میرے ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ عربوں کے ذہن میں جنس و رنگ کا جذبہ پھر عود کر آیا ہے یا انہوں نے سیاہ رنگ کو حقارت و دشمنی کے ساتھ مختص کر دیا ہے، بہرحال بعض عرب بھی اپنے سیاہ رنگ کے باعث بہت مشہور گزرے ہیں ان کا ایک سردار تو رنگ کا اس قدر کالا تھا کہ زنجی بھی اس کو سخت سیاہ کھردری کچی کھال اور کوئلہ سے تشبیہہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ عرب جب کسی کو عبد یعنی غلام کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد زنجی نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سیاہ رنگ کو حقارت کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کا مقصد عبد کے لفظ سے ایک ایسا اسیر اور قیدی ہوتا ہے جو کبھی قید سے رہائی نہیں پاتا یا باہر سے لایا ہوا ایسا غلام ہے جو بازار میں بیچا اور خریدا جاتا ہے یا کم از کم لفظ عبد سے ان کی مراد ایک ایسے انسان سے ہے جو مجہول النسب ہے اور جو مشہور اصول میں سے کسی خاص اصل یا نسل کی طرف منسوب نہیں۔ غرضکہ ان کے نزدیک غلام اپنے رنگ کی سیاہی کے باعث ذلیل و حقیر نہیں ہوتا اور نہ اس لیے حقیر ہوتا ہے کہ اُس کا تعلق کسی دشمن جنس سے ہے بلکہ وہ محض اجتماعی اور معاشرتی حیثیت کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھا جاتا ہے اور یہ وجہ اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک نسلی و عنصری وجوہات اور جنسی عداوتیں دُور نہیں ہوں گی۔ عربی دولت و ریاست کی وسعت اور

Marfat.com

حصول غلبہ کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا جب سیاہ فام زنجی کھنچ کھنچ کر براعظم افریقہ کے دریاؤں سے متصل اُن علاقوں میں پہنچ گئے تھے جو عربی دارالحکومتوں کے قرب وجوار میں تھے۔ اس زمانہ میں ایسا سب سے بڑا علاقہ بصرہ تھا چنانچہ زنجیوں اور عربوں میں اس صورتِ حال کے پیشِ نظر قدیم وجدید زمانہ جیسی عداوت و دشمنی کی لہر عود کر آئی اور بصرہ میں وہ مشہور زنجی فتنہ برپا ہوا جس کی مثل زمانہ ماضی میں یا موجودہ زمانہ کے جنسی فتنہ میں نظر آتی ہے یا جس کی نظیر ہمیں گذشتہ زمانہ کی تاریخ میں ملتی ہے۔ زنجی فتنہ کی یہ لہر بڑے زور شور سے اُٹھی تھی لیکن اسی طرح وہ اُتر بھی گئی اور چند سال بعد اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ اس پچھلے زمانہ کو چھوڑ کر جزیرہ کی دیہی اور شہری آبادی میں زنجیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ کبھی کبھار کوئی عرب کسی زنجی یا حبشی کنیزہ سے بچے پیدا کراتا اور اس کے غلام لڑکے کو اپنا بیٹا بنا لیتا تھا بشرطیکہ وہ اس میں نجابت کے جوہر دیکھتا اس کے چال چلن کو بہتر سمجھتا اور اس میں شہسواری اور بہادری کے آثار دیکھتا نیز اس میں اسے فصاحت وبلاغت اور ادبی ذوق کے جوہر نظر آتے۔ اور بسا اوقات یہ غلام اگر سیرت وکردار کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہوتا تو نہ صرف اس کو آزاد کر دیتا تھا بلکہ اس کو اپنے خاندان میں شامل بھی کر لیتا تھا اور اپنی بیٹی سے یا اپنے خاندان کی کسی لڑکی سے اس کی شادی کر دیتا تھا اور ایسا کرتے وقت عرب کے لیے نہ جنسی عداوت رکاوٹ بنتی تھی اور

Marfat.com

نہ بیاہ رنگ کا عیب مانع آتا تھا صرف اجتماعی زندگی کے رسم و رواج شادی بیاہ کے معاملات میں حتیٰ کہ اپنے قریبی عزیز و اقارب میں بھی عام طور پر رکاوٹ بنتے ہیں چنانچہ یہی سماجی رسم و رواج اور معاشی و معاشرتی امتیازات اکثر و بیشتر عرب اور زنجیوں کے مابین مخلوط معاشرہ کے قیام میں بڑی رکاوٹ بنتے تھے اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ہر سیاہ فام غلام کی اس نسبت کو محفوظ رکھیں جس کا تذکرہ عربوں کی جنگ میں زنجیوں اور حبشیوں کے حوالہ سے ملتا ہے یا فرزندان حام سے اس کا تعلق علم الاجناس کے معروف طریقہ سے جا ملتا ہے شاید اسی لیے ایتھوپیوں کی طرح سامی نسل افریقہ کی طرف کوچ کر گئی اور سامیوں اور حامیوں میں سے خلاسی یعنی سفید و سیاہ رنگ کی ایک مخلوط نسل تیار ہو گئی اور گمان غالب تو یہ ہے کہ اس کتاب کے صاحب سیرت حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حامی حبشی تھے اور خالص سیاہ فام زنجی نہ تھے کیونکہ عرب اجناس اور نسلوں کے خد و خال کی بڑی زبردست پہچان رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت بلال رضؓ کے اوصاف میں چپٹی ناک اور ادنیٰ قسم کے گھنگریالے بالوں کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے اور یہ دونوں خصوصیتیں حامی النسل لوگوں میں بالکل نہیں پائی جاتی ہیں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معاشی حالت قبل اسلام نہایت خستہ تھی ایام جاہلیت میں عام طور پر عربوں کے پورے معاشرہ میں غلاموں کی حالت بہت خراب تھی اور اس کی وجہ ان کا جرم ضعیفی تھا چنانچہ ان کو اس جرم ضعیفی کی سزا عربوں کے جاہل طبقہ کی طرف سے ظلم کی صورت میں برداشت

Marfat.com

کرنا پڑتی تھی اس ظلم میں بجز اُن کی مالی حالت کی ابتری وکمزوری کے جنسی نفرت وعداوت کا بظاہر کوئی دخل نہ تھا چنانچہ ان کی نظر میں ہر غلام کا حال اس غریب ونادار اور محتاج کا تھا جو نسبی اعتبار سے ذلیل وحقیر و بے سہارا اور دیت وخون کے بدلہ کے لیے ناکارہ وناہل سمجھا جاتا ہے اور جو ظالم کے ظلم کو شرع، عرف اور عقیدہ کسی بھی اعتبار سے دفع کرنے کے قابل نہیں ہوتا چنانچہ وہ غریب ہمیشہ ظلم وتعدی کا شکار اور سماج کی نفرت و حقارت کا نشانہ بنا رہتا تھا۔ اس لیے ان کی گلوخلاصی اور نجات صرف اس عقیدہ کی حلقہ بگوشی سے ہی ہو سکتی تھی جو ظلم وستم کو روکتا معاشی عدل وانصاف اور سماجی اخوت ومساوات قائم کرتا ہے۔ درِ اصل اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو ظلم کی بیخ کنی کرتا اور ظالم کا ہاتھ پکڑتا ہے اس لیے مظلوم غلام کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسی دعوت حق پر خود بھی لبیک کہے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔

---

Marfat.com

# اِسلام اور غلامی

عقیدہ روحانیت در حقیقت انسانی عزت و وقار اور موجودہ جمہوری طرز حکومت کی جانب پہلا قدم ہے چونکہ عقیدہ روحانیت ہی نے انسان کو دوسروں کی اتباع اور پیروی کا سبق دیا ہے، اور اسے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اس لیے یہی عقیدہ انسان کے ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق ہونے کی بنیاد ہے اور اسی نے بنی نوع انسان کو خدا اور اس کی شریعت کی نظر میں یکساں اور مساوی قرار دیا ہے۔ دورِ غلامی عقیدہ روحانیت سے قدیم تر ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر دورِ غلامی عقیدہ روحانیت سے قدیم تر نہ ہوتا تو ادیان سابقہ اپنی کتابوں میں اس کا اعتراف نہ کرتے کیونکہ ایک بے جان جنس کی طرح انسان کی خرید و فروخت ایک ایسے روحانی عقیدہ سے کس طرح میل کھا سکتی ہے جس میں آقا اور غلام کی روح کو مساوی حیثیت حاصل ہے بلکہ صالح غلام کی روح کو غیر صالح آقا کی روح پر فوقیت و فضیلت دی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ ادیان و مذاہب سے ہزارہا سال قبل سے انسانی سوسائٹی میں غلامی کا رواج چلا آرہا تھا اور چونکہ زمانہ قدیم میں ہی

Marfat.com

غلامی سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کا جُز بن چکی تھی اس لیے انسانی معاشرہ سے اس کا یک لخت خاتمہ نہایت دشوار ترین امر تھا مزید براں یہ کہ لوگوں کے اخلاق وخصائل بھی اتنے بلند اور ارفع نہ تھے اور نہ ہی ان کے جذبات واحساسات اتنے شائستہ اور پاکیزہ تھے کہ جانوروں اور اشیائے ضرورت کی طرح وہ انسانوں کی خرید وفروخت سے گریز و اجتناب کرتے اور غلامی کے سلسلۂ خرید وفروخت کو یک لخت ختم کر دیتے پچھلے آسمانی وروحانی مذاہب نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی اگرچہ پوری کوشش کی لیکن اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

علاوہ ازیں بیشتر غلام بھی زمانہ کے اس مسلط کردہ ظالمانہ نظام کے عادی اور اس سے مانوس ہو گئے تھے اور جو اس سے نفرت بھی کرتے تھے ان میں اس غیر انسانی اور قبیح نظام سے نفرت کرنے کی ہمت وجرأت نہ تھی بایں ہمہ مذہبی مصلحین بھی اس کی ایسی کوئی توجیہہ نہ پیش کر سکے جس سے انسانی خرید وفروخت اور عقیدہ روحانیت میں توافق پیدا کیا جا سکتا۔

ان مصلحین کی طرف سے صرف ایک ہی وجہ بالعموم پیش کی جاتی تھی اور وہ یہ کہ غلام جسمانی طور پر اگرچہ غلام ہے لیکن اس کی روح آزاد ہے اور گو وہ دنیا میں غلام ہے لیکن آخرت میں سردار ہو گا اور صالح و متقی لوگوں کے رتبہ پر فائز ہو گا۔

چنانچہ مقدس پولوس نے اہل افسس کو جو خط لکھا ہے اس میں اس نے غلاموں کو بطور خاص تاکید کی ہے کہ وہ خلوص دل سے اپنے آقاؤں

Marfat.com

کی اسی طرح اطاعت کریں جس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد پطرس نے بھی غلاموں کو اسی بات کی تلقین کی اور ان کے لیے اپنے آقاؤں سے ڈرنا اور خوف کھانا اتنا ضروری قرار دیا گیا کہ گویا یہ حکم اور طریقہ بھی دین مسیح کے منجملہ دیگر احکام کے ایک ضروری حکم ہے۔ اس کے بعد جب واقعتاً کلیسائی دور آیا تو اس نے بھی اس نظام کو علیٰ حالہ قائم و برقرار رکھا اور روم کے علماء نے اپنے گشتی مراسلوں اور دینی مواعظ میں بھی اس کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی فلسفی اور ارسطو کے شاگرد توما اکوینی نے بھی غلامی کے اس نظام کی تائید کی چنانچہ انہوں نے اپنی سیاست سے متعلق ایک کتاب میں مسیحی قاصدوں اور ارسطو کے اقوال بھی بطور حوالہ پیش کیے ہیں ارسطو کے خیال کے مطابق غلامی کوئی معیوب بات نہیں اس کے نزدیک غلاموں کی حیثیت ایسے ضروری آلات و اوزار کی سی ہے جو کسی کام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں نیز اس کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص خود اپنی کفالت کرنے کے قابل نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی سرپرستی اور ماتحتی میں زندگی بسر کرے ارسطو کے شاگرد اور صوفی فلسفی توما اکوینی بھی اس سلسلہ میں اس کے ہم خیال ہیں کیونکہ اس کے نزدیک زہد و تقویٰ انسان کو قناعت کے ایسے پست ترین مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں ان امور کو برا اور معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ حد سے بڑھی ہوئی قناعت

Marfat.com

تو تارک الدنیا لوگوں کی ایک گونہ مروّجہ خوبی اور پسندیدہ صنعت سمجھی جاتی ہے جب کسی تارک الدنیا شخص کو اس مخصوص قسم کے مزاج اور افتادِ طبع کے ساتھ ساتھ غلامی سے بھی واسطہ پڑے گا تو اس میں زہد و پارسائی اور اتقاء و محرومی کی ایسی صفت اور کیفیت پیدا ہو جائے گی جو تصوف کی بلند ترین خوبیوں میں سے ایک ہے نیز اسے ضروریاتِ زمانہ ان کے تقاضوں اور اسرارِ کائنات کی ان خصوصیات کا بھی بآسانی اندازہ ہو جائے گا جن پہ عملدر آمد کسی نہ کسی شکل میں دوسرے عمل سے منسلک اور وابستہ ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جن ملکوں میں کسی بھی جاندار کو مارنا حرام اور نہایت گناہ کا کام سمجھا جاتا تھا وہاں بھی غلاموں کے ساتھ بدسلوکی و بے دردی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی چنانچہ ہندوستان کے برہمن شودروں کے ساتھ غلاموں کی طرح نہایت حقارت سے پیش آتے تھے اور ان کو حد درجہ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے تھے، یہ شودر ان کے عقیدہ کے مطابق چونکہ دیوتا کے جسم کے زیریں حصہ سے پیدا ہوتے ہیں اس لیے وہ زندگی بھر کے لیے ذلّت و حقارت کے مستحق ہیں - ان کا آقا عتاب کی صورت میں ان کو ادنیٰ سزا یہ دیتا تھا کہ معمولی سے قصور پہ بھی غلام کی زبان کھینچ لیتا تھا یا اس کے اعضا کاٹ کر اس کو سرِ عام قتل کر دیتا تھا لیکن جیسے جیسے تہذیب و تمدن کی ترقی ہوئی غلاموں کے ساتھ سلوک میں بھی فرق پڑنا شروع ہو گیا - چنانچہ بعض قومیں غلاموں اور باندیوں

Marfat.com

کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک سے پیش آنے لگیں اور ان کے ساتھ بعض حقوق میں مساویانہ سلوک کیا جانے لگا چنانچہ قدیم مصری باشندے اپنی کنیزوں کے ساتھ منکوحہ بیویوں جیسا سلوک کرنے لگے اور اگر کوئی شخص کسی غلام کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیتا تھا تو اس کی پاداش میں خود اس شخص کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ سزائے موت کے مجرموں کو بھی غلاموں کی تعذیب اور ایذا رسانی سے اپنی برأت کا ثبوت مہیا کرنا پڑتا تھا جس سے ان کو کسی حال میں بھی چھٹکارہ نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ مصریوں سے ہی عبرانیوں نے غلاموں پر سختی کرنے اور نفاذ احکام میں ظلم و ستم روا رکھنے کو نہایت معیوب اور حرام سمجھنا شروع کیا اور چونکہ یہی لوگ مصر میں بالعموم احکام کے نفاذ و اجراء کا کام سرانجام دیتے تھے اس لیے ان میں غلاموں کی خونریزی رکوانے اور اُن کے ساتھ انصاف سے پیش آنے کا رجحان پیدا ہوا غرضکہ یہ لوگ غلاموں پر ظلم و ستم کو جتنا بُرا سمجھتے تھے اتنا ہی احکام کے اجراء و نفاذ میں مار پیٹ اور ان کی ایذا رسانی کو سخت معیوب سمجھتے تھے، مسٹر ہیرودت کا کہنا ہے کہ اہل فارس کے یہاں غلاموں کو پہلے قصور پر سزا دینے کی ممانعت تھی لیکن دوسری بار ارتکاب جرم پر وہ غلام کو قتل کر ڈالتے تھے یا اس کو کوئی سخت ترین سزا دیتے تھے اور اس میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے بہر حال ایرانیوں کا قانون غلاموں کے حق میں یونان و روم کے قوانین کے مقابلہ میں زیادہ نرم اور لچک دار تھا کیونکہ ان کے قانون میں غلام کو قدرے رعایت دینے کی گنجائش تھی اور وہ حتی الامکان غلاموں پر

Marfat.com

ظلم وستم کو ناپسندیدہ فعل سمجھتے تھے غلاموں کے ساتھ ان کی رعایت و شرافت کی وجہ غالباً ان کا کنیزوں کو بیویاں بنا لینا تھی بہرحال بڑے بڑے شہروں کے تمدنی پھیلاؤ، تہذیبی تقاضوں اور معاشی ضرورتوں نے بھی غلاموں کے ساتھ نرمی اور رواداری کا سلوک برتنے کا سب کو احساس دلایا تھا، جس کے باعث کسی قوم نے بھی غلامی کے مظالم کو برقرار رکھنے اور غلاموں کو قومی اور نسلی اختلاف کے باوجود ذلیل بنا کر رکھنے کو پسندیدہ نہیں سمجھا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ غلامی کے مسئلہ میں شمالی یورپ کی اقوام کو جنوبی یورپ کی اقوام پر ایک گونہ شرف و فضیلت حاصل ہے بالکل غلط اور ایک ایسا مغالطہ ہے جو اسباب کے حقائق دریافت کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس لیے کہ شمالی یورپ کی اقوام غلامی کے مروجہ نظام سے اپنے نام نہاد اعلیٰ فضائل اخلاقی کی بدولت علیحدہ اور دُور نہیں رہیں بلکہ اس کی اصل وجہ صرف ان علاقوں کی سرد اور خنک آب و ہوا رہی ہے اس لیے یہاں اگر غلامی کا رواج نہیں رہا تو اس میں یہاں کے باشندوں کے اخلاقی فضائل کا کوئی دخل نہیں بلکہ جو کچھ بھی ہے یہاں کی سخت ترین موسمی کیفیت اور ضرورتوں کا تقاضا ہے حقیقت یہ ہے کہ غلاموں کا طبقہ ہمیشہ خالص انسانی مساوات اور مکمل عدل و انصاف سے ہمیشہ محروم رہا ہے اور آج تک ان غریبوں کا یہی حال ہے یورپ کی کالونیوں اور نوآبادیات میں تو اٹھارہویں صدی عیسوی تک غلاموں کو قید سے بھاگنے یا اپنے آقا سے سخت کلامی کرنے کی صورت میں قتل کر دینے کا عام قانونی حق آقاؤں اور

Marfat.com

مالکوں کو حاصل تھا۔ الغرض غلاموں کی یہ حالت نہ صرف قرون اولیٰ ہی کی یادگار نہیں ہے بلکہ قرون جدیدہ میں بھی اس مظلوم طبقہ کے ساتھ سب جگہ کم و بیش یہی حالت رہی حتیٰ کہ ان کی یہ حالت آسمانی مذاہب کے ظہور سے قبل و بعد بھی تقریبًا ایسی ہی رہی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی من جملہ ان اسباب کے جو غلاموں کے حالات کے بہتر ہونے اور دورِ جدید میں ان کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں بیان کیے جاتے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ بعض ایسے ممالک کو جنہیں غلاموں کے حصول کی سہولتیں حاصل نہیں ان ملکوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو اپنے کارخانوں اور فیکٹریوں کے لیے لیبر بھرتی کرتی تھی اور وہ ان کو اتنی اُجرت ادا کرتے تھے جس کا تصور بھی اس زمانہ کا کوئی حبشی غلام نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال جب غلاموں کو نسبتًا زیادہ مراعات ملنے لگیں تو اس کا مضر اثر اس آزاد لیبر اور کارکنوں پر بھی پڑا جو اپنے لیے بہتر معاوضہ اور زیادہ اُجرتوں کے لیے تگ و دو کر رہے تھے اور جس کی تائید ان کو ایسے مالدار حلقوں سے حاصل ہو رہی تھی جو غلاموں سے استفادہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

جب ہم غلامی کی تاریخ اور غلاموں کے ساتھ عہد بہ عہد کے ناروا سلوک اور ناگفتہ بہ حالات کا اسلامی دور کے عادلانہ حالات و کوائف سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف طور پر غلامی کے رواج کو مٹانے کے لیے اور رفتہ رفتہ معاشرہ سے غلامی کے متعلق قدیمی اثرات کو دور کرنے کے بارہ میں اسلام کی کوششیں صاف طور پر نظر آتی ہیں اسلامی

Marfat.com

احکام کی رُو سے مسلمانوں کے لیے کبھی غلاموں کا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ مسلمانوں کے زمانہ میں اکثر و بیشتر غلاموں کو ملک کی اقتصادی اور معاشی امور کی دیکھ بھال اور نگرانی کے فرائض سپرد کیے جاتے تھے ان کا اصل کام معیشت کو ترقی دینا اور کاروباری امور کو چلانا تھا تاکہ دوسرے لوگ پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے اپنی زندگیاں وقف رکھیں یا حکومتی کاموں کو سرانجام دیں۔

اسلام نے جس طرح غلام بنانے کی رسم کی بیخ کنی کی اسی طرح اس نے جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی ناروا غلامانہ سلوک سے لوگوں کو باز رکھا اور اُن کی بلا معاوضہ آزادی کو اجر عظیم قرار دیا اور بہت سے گناہوں میں کفارہ کے طور پر بھی غلام آزاد کرنے کو بھی دیگر طریقوں کے ساتھ شامل رکھا حتیٰ کہ جہاں جہاں غلاموں کو اپنی حکومتیں قائم کرنے کا موقع ملا۔ عام مسلمانوں نے ان کو بڑی خندہ پیشانی اور خوشدلی سے اپنا حکمران تسلیم کیا۔ اور کسی بڑے سے بڑے آزاد مسلمان کے مقابلہ میں کبھی کسی مسلمان غلام حاکم کو کمتر نہیں سمجھا بلکہ سب لوگ اُن کو اپنا آقا اور سردار سمجھتے اور ہمیشہ نہایت عزت کرتے تھے غرضکہ تمام ادیان عالم میں یہ شرف فخر اسلام ہی کو حاصل رہا ہے کہ اس نے غلاموں کو ذلت کی زندگی سے نکال کر عزت و احترام کے تخت پر بٹھا دیا اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرتا اور غلامی کو علیٰ حالہ برقرار رکھتا تو بھی پوری دنیا میں اس کے لیے اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا حتیٰ کہ دعوت اسلامی کی تحریک کو بھی غلامو

Marfat.com

کے ساتھ سرد مہری برتنے میں کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا بھی کوئی اندیشہ نہ تھا، اس لیے کہ مسلمان اس خسارہ کو بھی اچھی طرح برداشت کر سکتے تھے جو ان کو غلاموں اور کنیزوں کو آزادی دلانے کے باعث برداشت کرنا پڑتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باپ ابو قحافہ اپنے بیٹے کو زر کثیر صرف کر کے غلاموں کو آزاد کرنے کے سخت خلاف تھے اور ان کو اس غیر مفید کام سے اس لیے روکتے تھے کہ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتے تھے کہ ان غلاموں سے مدد تو کیا ملے گی یہ تو اُلٹا ہمارے لیے بوجھ بن جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو مٹانے کے لیے ان کو آزاد کرنے کا جو طریقہ اور سلسلہ شروع کیا اس کا سبب صرف اسلام کی اعلیٰ تعلیم اور اخلاقی قدریں تھیں جن میں دنیاوی اغراض اور مادی منفعتوں کا قطعاً کوئی دخل نہیں تھا غرضکہ اس طرح غلامی کا نظام و رواج اسلام کے ہاتھوں بالکل باطل اور معدوم ہوگیا اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں غلامی کے رواج سے مطابقت رکھنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے، اسلام میں بڑائی اور عظمت کا معیار نہ غلامی اور آزادی ہے اور نہ دیگر اقوام کی طرح نسل و رنگ اور جنس کی فوقیت ہے بلکہ اسلام میں بڑائی کا اصل معیار تقوے اور نیکی ہے جو شخص جتنا متقی اور پاکباز ہے وہ اسلام کی نظر میں اتنا ہی محبوب اور پسندیدہ ہے، قرآن پاک نے مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے اور اس طرح اس نے جغرافیائی قومیت اور نسلی امتیاز کی جڑ ہمیشہ کے لیے کاٹ کر رکھ دی

Marfat.com

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جنت اس کو ملے گی جو میری اطاعت کرے گا اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور دوزخ میں وہ شخص جائے گا جو میرا نافرمان ہوگا خواہ وہ کیسا ہی شریف قریشی ہو" اسلام نے غلامی کو صرف ایک صورت تک محدود رکھا ہے اور فقط ایک شکل میں اس کو منظور و قبول کیا ہے اور وہ ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان جنگ میں اسیر ہوکر اور گرفتار ہوکر قید ہونا، اس کے علاوہ کسی مسلمان کو کسی غلام کو خریدنے یا اُچک کرلے جانے اور اپنا غلام بنانے کا کوئی حق نہیں ہے چنانچہ ایسوں کو غلام کہا بھی نہیں جائے گا صرف میدان جنگ میں گرفتار ہوکر آنے والے ہی غلام و کنیز بنائے جا سکتے ہیں اور پھر ان کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خود یا زرِ فدیہ ادا کردیں یا ان کی طرف سے کوئی دوسرا شخص اُن کا معاوضہ ادا کرکے ان کو آزادی دلا دے، قرآن پاک کی رُو سے ایسے غلام اور کنیزیں بلا کسی معاوضہ اور زرِ فدیہ کے بطور احسان بھی رہا کیے جا سکتے ہیں۔

دعوتِ اسلامی کے سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد غلام بنانے کا دستور تو بالکل جاتا رہا کہ اب اس کی ضرورت غالباً باقی نہیں رہی تھی البتہ قید کر لینے اور زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا طریقہ معمول کے مطابق چلتا رہا اس کے علاوہ قیدیوں کے بدلہ قیدیوں کے تبادلہ پر بھی عملدرآمد ہوتا رہا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک طرفین میں جنگیں ہوتی رہیں جس کے نتیجہ میں قیدیوں کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا تو مذکورہ بالا

Marfat.com

طریقہ کے سوا اور کوئی مقبول و معروف طریقہ اس مسئلہ کے حل کا تھا بھی نہیں غرضیکہ اسلام نے غلامی کے مسئلہ کی شدت کو کم سے کم کرنے اور اس کے دائرہ کار کو محدود تر کرنے کے سلسلہ میں مذکورہ بالا واحد طریقہ کو مقبول بنانے اور رائج کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ اس نے تو مسلمانوں کو صراحتاً حکم دے دیا کہ یا تو فدیہ قبول کر لو اور قیدیوں کو چھوڑ دو یا بغیر فدیہ لیے ہی اُن کو بطورِ احسان آزاد کر دو اور اس کے لیے قرآن پاک میں صاف اور واضح حکم موجود ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"پھر اس کے بعد یا محض احسان رکھ کر چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دو تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔"

(سورہ محمد آیت ۴)

اسلام نے مسلمانوں کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو خصوصی سہولتیں دیں اور ان سے معاوضہ کی رقم آسان قسطوں میں تھوڑی تھوڑی وصول کر کے ان کو گلو خلاصی کا موقع فراہم کریں، قرآن پاک میں خدا کا حکم ہے "تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا لیا کرو" (سورۂ نور آیت ۳۳) یہی نہیں بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر اسلام نے غلاموں کی گلو خلاصی اور آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، حتیٰ کہ بعض احکام دین میں غفلت و کوتاہی برتنے پر بھی غلام آزاد کرنے کو صدقات و اطعام مساکین کی طرح ضروری اور واجب ٹھہرایا ہے، اسلام نے غلاموں کے ساتھ

Marfat.com

حسن سلوک سے پیش آنے اور اُن کے ساتھ شفقت و مروت کا برتاؤ کرنے کو ماں باپ اور اقرباء کے ساتھ حسن سلوک کے برابر قرار دیا ہے "اور والدین سے حسن سلوک رکھو اور قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دُور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری ملک میں ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والے اور غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔"
(سورہ النساء آیت ۳۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات سے قبل جن دو خاص امور کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے ان میں ایک نماز اور دُوسرے غلام اور باندیاں ہیں، اسی مفہوم کی متعدد دیگر احادیث بھی آپ سے مروی ہیں، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے میرے دوست جبرئیل نے غلاموں کے ساتھ اتنی شفقت و رحمت کی وصیت کی کہ میرے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ نہ "لوگوں کو غلام بنایا جائے اور نہ ہی ان سے خدمت لی جائے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غلاموں اور باندیوں کے ساتھ کتنی شفقت اور تعلق تھا اس کا اظہار اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے "تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کو عبدی یا اُمتی یعنی میرے غلام یا میری کنیز کہہ کر نہ پکارے بلکہ فتائی یا فتاتی دیا غلامی یعنی میرے نوجوان یا میرے لڑکے یا میری لڑکی کہہ کر آواز دے۔"

Marfat.com

اسلام میں غلام کو تہذیب و شائستگی سکھانے کے علاوہ کسی اور امر کے لیے مارنے پیٹنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر تادیب و تہذیب کے مقصد کے علاوہ غلام کو سزا دی جائے گی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"جس شخص نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا تو اس کا کفارہ اس کو آزاد کر دینا ہے" اور بعض مشہور فقہاء کے قول کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے گا تو اس کے قصاص میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا اسی طرح اسلام نے مسلمان کنیز کے ساتھ عقد کرنے کو آزاد مشرک عورت کے ساتھ عقد کرنے پر فضیلت و ترجیح دی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید کو پہلے آزاد کیا اور پھر ان کا عقد اپنے معزز خاندان کی نہایت شریف اور محترم خاتون یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا۔یہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے متبنیٰ یعنی زیدؓ کے بیس سال سے بھی کم عمر بیٹے اُسامہ کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کے ہوتے ہوئے جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے محترم لوگ شامل تھے، شام کی طرف بھیجے جانے والے لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اور حسنِ سلوک نہ صرف اپنے غلاموں کے ساتھ بلکہ دوسروں کے غلاموں کے ساتھ بھی ایسا فیاضانہ اور مشفقانہ تھا جس کی نظیر اُس دَور کے کسی ملک میں تو کیا ملتی آج بھی تہذیب و ترقی کے اس دَور میں بھی کہیں نظر نہیں آتی آپ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے یہاں

Marfat.com

غلاموں کو کھانے پر مدعو فرماتے اور ان کی دعوتیں بڑی خوشی سے قبول فرماتے تھے اور مسلمانوں سے علی الاعلان تاکید فرماتے تھے کہ "یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے لونڈی غلام ہیں اللہ نے انہیں تمہاری سرپرستی میں دیا ہے جو جس کا بھائی ہے وہ اس کے زیر سایہ ہے وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اگر ڈالتے ہو تو خود بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔" اس سلسلہ میں آپ کے بہترین و پاکیزہ احساسات اور شریفانہ خیالات کا اظہار آپ کے مندرجہ ذیل ارشادات سے ہوتا ہے

"میں تو اللہ کا بس ایک غلام ہوں اور اسی طرح کھانا پسند کرتا ہوں۔ جس طرح ایک غلام کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھنا پسند کرتا ہوں جس طرح ایک غلام بیٹھتا ہے۔"

غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ یہ عمدہ برتاؤ اعلیٰ اخلاق اور معاملات میں یہ عادلانہ حسن سلوک اسلام کی پاکیزہ تعلیمات، عظیم روایات اور اعلیٰ روحانی اقدار کا نتیجہ تھا جس کے سامنے ان اجتماعی ضرورتوں، دنیاوی فائدوں اور مادی و اقتصادی مصلحتوں کا کبھی کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جن کو اس دور کی تمام مملکتیں سب سے زیادہ اپنے پیش نظر رکھتی تھیں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا اس قبیح رسم کی بیخ کنی کرنے کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کے بدیہی اثرات صرف تھوڑی مدت کے لیے ہی ظہور پذیر نہیں ہوئے یا حضرت بلال رضی اللہ عنہ، یا ان جیسے دوسرے

Marfat.com

غلاموں اور باندیوں کے سلسلہ میں ہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان احکامات کی پابندی نہیں کی گئی۔ بلکہ ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں اور مشرکوں میں جتنی جنگیں ہوئیں ان سب میں غلاموں اور باندیوں کے معاملات اسلامی روایات و احکام کے مطابق طے کیے گئے اس لیے یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ اس زمانہ کے غلام اور باندیاں صرف اس لیے مسلمان ہوتی تھیں کہ ان کو ظالم مشرک آقاؤں سے نجات مل جانے کی اُمید ہوتی تھی، دراصل حُسنِ سلوک مساویانہ برتاؤ اور معاشرتی و عمرانی انصاف کی یہ عملی مثال صرف حضرت بلال حبشی رضؓ، صہیب رومیؓ، اور عمار بن یاسرؓ کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی بلکہ یہ تو ادنیٰ نمونہ تھا اُس حُسنِ خلق، اسلامی اخوت اور اس اعلیٰ رُوحانی تعلق خاطر کا جو ایک کلمہ گو مسلمان کو دُوسرے کلمہ گو مسلمان سے ہوتا ہے غرض کہ اسلامی اخوت عدل و انصاف اور پاکیزہ اسلامی اخلاق کا رنگ سب پر غالب تھا یہ بات تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے غلام زید بن حارثہ سے اتنا عمدہ اور مثالی سلوک تھا کہ وہ اپنے باپ اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے آئے اور جب وہ لوگ اُن کو لینے کے لیے آئے اور ان کے لیے ہر طرح کا معاوضہ دینے پر تیار ہو گئے تو زید بن حارثہ نے اپنی پھوپھی باپ اور قبیلہ والوں کی ایک نہ سُنی اور جوار رسول علیہ السلام سے ایک لمحہ کے لیے بھی جُدائی گوارا نہ کی اور اس وطن کی سرزمین میں جانا پسند نہ کیا جہاں سے چند سال قبل ان کو بہ جبر نکالا

Marfat.com

گیا تھا، اس مثالی واقعہ کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس نے آزاد اور غلام سب لوگوں میں اسلام کو یکساں طور پر مقبول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہر دلعزیز اور سب کا محبوب بنا دیا اور اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ غلاموں میں اسلام کی تڑپ و جستجو راحت و آرام کے حصول کے لیے نہ تھی اور نہ ایک آقا کا دوسرے آقا سے بہتر ہونے یا ایک معیشت کی دوسری معیشت سے بدتر ہونے کی بنا پر تھی، ہمیں عقائد دینی کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں لوگوں نے کسی دین کو راحت و آرام اور عیش و کامرانی کی خاطر قبول کیا ہو اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ راحت و آرام کے جویا اور خواستگار لوگوں سے کبھی ایسے ایمان و عقیدہ کی نشر و اشاعت اور ترقی میں کوئی مدد نہیں ملتی جس کو اپنے ابتدائی عہد میں قربانی اور مجاہدہ کی زندگی درکار ہو اور جو اپنے متبعین اور پیروکاروں سے قربانی کی طلبگار ہو، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تو خاص طور پر نہ ان کے لیے راحت و آسائش کا زمانہ تھا اور نہ ان کے ساتھیوں کے لیے عیش و کامرانی کا عہد تھا، یہ زمانہ تو ان نومسلموں کے لیے خطرات و مصائب سے نکل کر امن و سلامتی کی راہ اختیار کرنے کا بھی نہ تھا بلکہ اس کے برعکس یہ زمانہ سخت ترین مصائب و آلام، ابتلا و آزمائش اور جان و مال کی قربانی کا تھا، اس زمانہ میں اسلام قبول کرنا زندگی کا چین اور سکون چھوڑ کر ایسی مصیبتوں اور آفتوں کو دعوت دینا تھا جن سے بچانے والا

Marfat.com

کوئی نہ تھا، اس لیے کہ ظلم و تعدی سے بچانے والے اور مصیبت میں حمایت کرنے
اور سینہ سپر ہونے والے صرف قبیلہ و خاندان کے لوگ ہی ہوا کرتے ہیں اور
آدمی کی جان و مال کو اسی وقت خطرہ لاحق ہوتا ہے جب وہ خاندان یا اپنے قبیلہ
کی ہمدردی و اعانت سے محروم ہوتا ہے لیکن اس غریب و بے کس غلام کی حمایت
کے لیے کون اپنا خون بہانا اور جان دینا پسند کرے گا جس کی زندگی کا رشتہ
اس کے آقا کی مرضی اور چشم و ابرو کے ایک اشارہ پر موقوف ہوتا ہے غرضکہ
اُس زمانہ میں ان مظلوم غلاموں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا اس لیے نہ تھا کہ
وہ سخت قسم کی غلامی سے نکل کر خفیف تر غلامی میں آنا چاہتے تھے یا ظالم
آقا کے پنجۂ استبداد سے نکل کر رحمدل آقا کے سایۂ عاطفت میں داخل ہونا
چاہتے تھے۔ اور اس کی وجہ ظاہر تھی اسلام اپنے آغاز میں اس پوزیشن
میں قطعاً نہ تھا کہ ان مظلوموں کو طاقت ور آقاؤں کی قید ظلم سے ایک دم
آزاد کرا لیتا۔ اسی طرح ان مظلوم غلاموں میں بھی آزادی کا ایسا احساس
اور جذبہ بیدار نہ تھا کہ ظالم آقاؤں کو چھوڑ کر اور ناراض کر کے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی جرأت کرتے۔ بہر حال اس مظلوم طبقہ
کا کوئی فرد اگر اسلام لے آتا تھا تو انتہائی ظلم وستم کے بعد اتفاقیہ طور پر یا
حادثاتی طریقہ پر ہی اس کو آزادی نصیب ہوتی تھی، اس لیے یہ خیال بھی
سراسر غلط ہے کہ لوگ راحت و آرام کی طلب یا حسنِ سلوک کی توقع میں
اسلام لاتے تھے اس لیے کہ اسلامی احکام کے عمدہ اثرات تو غلاموں اور
کنیزوں کے معاملات میں رفتہ رفتہ ہی بعد کو ظاہر ہوئے لیکن بے پناہ

Marfat.com

مصائب و آلام کا سامنا تو ان کو اسلام لاتے ہی شروع ہو جاتا تھا۔ دراصل کسی عقیدہ یا دین کو قبول کرنے کا اصل فلسفہ یہ ہے کہ ایمان اور دینی عقائد انسانی ضمیر کو ہمیشہ دنیاوی فائدوں اور مادی منفعتوں سے زیادہ اپیل کرتے ہیں اور نفس انسانی کے اضطراب اور اس کے ضمیر کے عدم اطمینان نے ہمیشہ اس کی رُوح کو بے چین و بے قرار رکھا ہے جس کے لیے اس نے دنیاوی عیش و آرام کو ہمیشہ ہیچ سمجھا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی معقول انسان ایسے مال غنیمت کو دل سے قبول نہیں کرتا جو صرف اس کے لیے ہی مخصوص ہو اور اس کے سوا دوسروں کے لیے عام نہ ہو لیکن جب وہ کسی ایسے عقیدہ پر ایمان لاتا ہے جو اس کی دنیوی زندگی کے ساتھ آخرت کی زندگی کو بھی محیط ہو تو اس کی منفعت اور غرض و غایت کا دائرہ صرف اسی کی ذات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وسیع اور عام ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایمان لائے تو انہوں نے دیکھا کہ جس دین کو وہ قبول کر رہے ہیں وہ کسی مخصوص غلام کی نہیں بلکہ پوری غلامی برادری کے ساتھ عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اور سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتا ہے پھر انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے ایمان لانے سے انسانی شرافت و اقتدار حیات کے طریقوں کو تقویت ملی ہے اور اس میں دنیاوی امور کی طرح مسابقت و منافست کے جذبہ کا کوئی دخل نہیں ہے بالفاظ دیگر وہ بحیثیت انسان ایمان و ایقان کی دولت سے ٹھیک اسی طرح سرفراز ہوئے ہیں

Marfat.com

جس طرح اس سے آزاد و شریف اور غلاموں کی خرید و فروخت پر قادر تمام انسان بہرہ ور ہوتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی جو کم سے کم توجیہات بیان کی جاسکتی ہیں وہ خود اُن کے ضمیر کی پاکیزگی ، ان کے نفس کی خوبی و عظمت خیر صغیر پر خیر کبیر کو ترجیح دینے کی عزیمت ، ان کی طبعی و فطری استقامت اور حق کو قبول کرنے کا وہ ذوق و شوق ہے جو جسم کے راحت و آرام سے زیادہ نفس کے سکون اور رُوح کے اطمینان کا متلاشی ہوتا ہے البتہ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تمام مسلمانوں کے درمیان مکمل اخوت و مساوات کے مظاہر بھی ان غلاموں اور باندیوں کے لیے اسلام کی طرف رغبت اور کشش کا زبردست باعث تھے اور یہ چیز ان کے لیے اس متوقع راحت و سکون سے بھی زیادہ مرغوب و دلآویز تھی جس کی وہ لوگ مستقبل قریب یا بعید میں مسلمان ہونے کے بعد اپنے لیے اُمید کر سکتے تھے البتہ اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے متعلق جو وصیتیں اور تاکیدیں کی ہیں صدیاں گزر جانے کے بعد اُن کے نقوش کچھ دھندلا سے گئے تھے ، چنانچہ جس کسی نے اُن پر عمل کرنا چاہا اس نے عمل کیا اور جس نے ان پر عمل نہ کرنا چاہا اس نے گریز کیا اسی طرح بہت سے لوگوں نے حیلہ و مکر سے کام لے کر اکثر اوامر و نواہی میں شریعت کے تقاضوں اور دین کے احکام کو مختلف اسلامی ادوار میں پورا کرنے سے پہلوتہی کی بہرحال اسلامی احکام و وصایا کے تقاضوں کو اگرچہ پوری طرح پورا نہ بھی

Marfat.com

کیا گیا ہو پھر بھی ان کا اکتسابی عمل انسانی تاریخ میں بڑا سودمند اور نہایت مفید ثابت ہوا اور بنی نوع انسان کی تاریخ پر اس کے بڑے گہرے اثرات اور مثبت نتائج مرتب ہوئے، چنانچہ لوگوں کو قیدی بنانے کا رواج بڑی حد تک جاتا رہا اور غلام بنانے کا دستور تو یک لخت ختم ہی ہوگیا۔ اور انفرادی اور قومی آزادی کا نعرہ اس زور وشور سے بلند ہوا کہ جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ابھی اسلام کے سورج کو طلوع ہوئے بارہ سو سال گزرے تھے کہ یورپ میں سیاسی فروغ شروع ہوا اور اس نے بھی غلامی کے رواج کو ناپسندیدہ سمجھا چنانچہ جب اس کی یونان سے جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں آزادی کے طلبگار یونان کے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار قیدی بنا کر مصر لائے گئے تو ان قیدیوں کو انگریز حاکموں نے قاہرہ اور اسکندریہ کے صاحب حیثیت اور خوش حال لوگوں کے خاندانوں میں تقسیم کر دیا لیکن جب صلح و مصالحت ہوگئی تو شرائط صلح کے مطابق طے پایا کہ تمام قیدیوں کو واپس کر دیا جائے اور ان قیدیوں کو جنہیں مصری حکومت نے خرید لیا تھا آزاد کر دیا جائے۔ البتہ ان قیدیوں کا معاملہ التواء میں رکھا گیا جنھوں نے یا خود اپنی قیمت ادا کر دی تھی یا ان کے رشتہ داروں نے ان کا معاوضہ ادا کر دیا تھا لیکن بقول انگریزی نمائندہ کے جو شرائط صلح کے نفاذ کا ذمہ دار تھا تقریباً ساڑھے چار سو قیدیوں کے علاوہ قاہرہ اور اسکندریہ کے خاندانوں میں تقسیم شدہ بقیہ تمام قیدیوں نے اپنی موجودہ غلامانہ حیثیت میں رہنا دل سے گوارہ کر لیا اور آزادی کو قبول کرنے سے صاف انکار

Marfat.com

کر دیا۔اس خود اختیاری حالت پہ قناعت کرنے کی جو کچھ بھی تعلیل و توجیہہ کی جائے اس امر سے کسی کو مجال انکار نہیں کہ ان یورپین فوجوں نے جنہوں نے ان قیدیوں کو رہا کر کے ان کے مطالبہ آزادی کو تسلیم کر لیا تھا خود غلاموں اور ان مسلمان امراء کے رویہ کو کسی طرح بھی مستحسن اور جائز قرار نہیں دیا اور اس طرح غلاموں کی آزادی کے بارہ میں مسلمانوں کے تمام زبانی دعوے ان لوگوں کی نظر میں زبانی جمع خرچ سے زیادہ ثابت نہیں ہوئے۔

---

Marfat.com

# حضرت بلال رضؓ بن رباح

تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشی مولدین میں سے تھے (باپ کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب) ——— آپ شکل وصورت اور رنگ و روپ کے اعتبار سے سیاہ فام، نحیف الجثہ، کشیدہ قامت اور قدرے جھکے ہوئے تھے آپ کے جسم پر کثرت سے بال تھے مگر داڑھی ہلکی تھی اور یہ منجملہ ان صفات کے تھیں جو ان مولدین کی نسل میں پائی جاتی تھیں جن کا تعلق بالعموم کالوں اور سامیوں سے تھا اور جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے اس لیے ان میں کلیتاً نہ حبشی و زنجی اوصاف پائے جاتے تھے اور نہ ہی کلیتاً وہ سامی النسل کی خصوصیات وصفات کے حامل تھے ان کے رنگ کی سیاہی اور سر کے بالوں کی کثرت ناک کا چپٹا نہ ہونا گھنگریالے بال کا نہ ہونا اس بات کی علامات تھیں کہ ان کا تعلق مولد ہونے کے اعتبار سے مذکورہ ہر دو نسل سے تھا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ حبشیوں کے سامنے سین کو شین بولتے اور پڑھتے تھے لیکن ثقہ حضرات نے اس خیال کی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ اذان دیتے تھے جس میں شین اور صاد دونوں استعمال ہوتے ہیں اور وہ دونوں حروف کو صحیح طرح سے ادا کرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ آپ کی پیدائش مقام سراۃ کی ہے اور اسی خیال کی اکثر لوگوں نے تائید کی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ سراۃ یمن اور حبشہ دونوں کے قریب ہے دوسرے یہ کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شادی کا ارادہ کیا تو سراۃ ہی کا رخ کیا ان کے سن پیدائش کے متعلق مستند ترین روایت یہ ہے کہ آپ ہجرت سے تقریباً ۴۳ سال قبل پیدا ہوئے۔ بہرحال اس بارہ میں جو مختلف اقوال بیان کیے جاتے ہیں ان سے تقریباً دس سال کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والدین معروف و مشہور شخصیتیں تھیں آپ کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ جب کوئی شخص آپ کو پکارتے وقت ناراض ہوتا تھا تو ان کو ابن السوداء کہہ کر پکارتا تھا ان کی والدہ شاید سراۃ کی باندیوں میں سے تھیں یا مکہ کی باندیوں میں سے تھیں بشرطیکہ ان کی سراۃ کی پیدائش والی روایت کو دُرست نہ سمجھا جائے جن انگریزوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں کچھ لکھا ہے ان کا بیان ہے کہ انہوں نے کلمات توحید اپنی ماں سے سیکھے تھے اور یہی خیال حبشہ کے عیسائی باشندوں کا بھی ہے چنانچہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان توحید کی دعوت دی تو حضرت

Marfat.com

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر اس دعوت کو قبول کر لیا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ گمان صحیح ہو مگر ہمیں بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں حبشی لوگ بالعموم مسیحیت کو ثنلیث سے قریب تر سمجھتے تھے اور اسلام کی دعوت توحید کو کچھ زیادہ خوش آمدید نہیں کہتے تھے ، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی تھا جس کو لوگ خالد کہا کرتے تھے اور جس کی کنیت ابورویحہ تھی لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسی قسم کا دینی بھائی تھا جیسا بھائی چارہ اور مواخاۃ کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ میں قائم کیا تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلال رضؓ کے ایک بہن بھی تھی جس کا نام غفرہ تھا اور جو عمر بن عبداللہ کی آزاد کردہ باندی تھی اس کے علاوہ غفرہ کے بارہ میں ہمیں مزید کچھ معلوم نہیں ۔حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش مکہ میں قبیلہ قریش کی مشہور و معروف شاخ بنی جمح میں ہوئی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں معروف مؤذن حضرت بلال رضؓ ، حضرت ابو محذورہ اور حضرت عمرو بن مکتوم میں سے ابو محذورہ کا تعلق بھی قبیلہ بنو جمح ہی سے تھا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا یہ حسن اتفاق تھا کہ ہر سہ مؤذنوں میں سے دو کا تعلق ایک ہی قبیلہ بنو جمح سے تھا یا اس کی وجہ قبیلہ مذکورہ کے لوگوں کا آواز و غنا سے خصوصی لگاؤ اور شغف تھا ۔ بنو جمح کے لوگوں کے بارہ میں مشہور تو یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں یہ لوگ اصحاب ازلام و ایسار کہلاتے

Marfat.com

تھے یعنی ان لوگوں کا کام تیروں سے فال نکالنے، اور اس سے شگون لینے جوا کھیلنے اور جوئے کا گوشت تقسیم کرنا تھا نیز یہ لوگ چونکہ عبدالدار کے جتھے کے لوگ کہلاتے تھے اس لیے جب کبھی عبد مناف (جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور عبدالدار میں کوئی جھگڑا ہوتا تھا تو بنو جمح کے لوگ عبدالدار کی حمایت کرتے تھے اسی لیے بنو جمح اور بنو عبد مناف میں بھی ہمیشہ اختلاف رہا کرتا تھا۔ چونکہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی پرورش و پرداخت بنو جمح جیسی قوم میں ہوئی تھی اس لیے اس سے ایک طرف ان کی طبیعت میں جاہلی رسوم و عبادات سے نفرت پیدا ہوئی اور اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور دوسری طرف اس قوم کی ازلام والیسار کی مشغولیتوں سے نیز ان کے دجل و فریب اور جعلسازیوں کے کاروبار سے بھی ان کی سیرت و کردار کا پردہ فاش ہوا، اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان اخلاقی اقدار کے فرق و امتیاز کو بھی شدت سے محسوس کیا جو بنو جمح اور ان کے حلیف عبدالدار اور جد رسول عبد مناف کے درمیان پایا جاتا تھا غرضکہ ان تمام امور نے مل کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو جمح سے کلیتًا کبیدہ خاطر کر دیا اور وہ ان کے حلقہ اثر سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ یہ امر تحقیقی طور پر ثابت نہیں ہے کہ بنو جمح میں سے کون لوگ حضرت بلال رضؓ اور ان کی والدہ ماجدہ کے آقا و سردار تھے کہا جاتا ہے کہ وہ اس قبیلہ کی کسی محترم خاتون کی سرپرستی میں تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

ابوجہل کے بیٹوں کے پاس رہتے تھے بعض لوگوں کے نزدیک وہ اُمیہ بن خلف اور اس کی اولاد کے یہاں رہتے تھے۔

بہرحال اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے آقا کے ہاتھوں ان پر سخت مظالم ہوتے دیکھے تو انہوں نے ان کو ظالموں سے خرید کر ان اندوہناک مظالم سے نجات دلا دی، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کو پانچ اوقیہ سونے (اونس) میں خریدا گیا تھا بعض کے نزدیک سات اوقیہ میں اور بعض کے نزدیک نو اوقیہ سونے میں خریدا گیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلال رضؓ کے آقا نے خریدنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اگر تم ان کو ایک اوقیہ سونے میں بھی خریدتے تو میں ان کو تمہارے ہاتھ بیچ ڈالتا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے جواب دیا اگر تم ان کے سو اوقیہ بھی طلب کرتے تو بھی میں ان کو خریدے بغیر نہ چھوڑتا بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو خریدا نہیں تھا بلکہ اپنے ایک غلام کے عوض آپ کو بدل لیا تھا مگر یہ ایسی روایت ہے جو بہت مشکوک ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے انسان نہ تھے کہ اپنے کسی آدمی کو کسی مشرک کے حوالہ کر کے اس کے عوض اس کا کوئی آدمی قبول کر لیتے اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحمدلی، دینی ایثار اور طبعی و فکری خصوصیات کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم و اشارہ پاتے ہی خرید لیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ اور ان جیسے دیگر کمزور مسلمانوں کی کفالت میں شرکت کرنا چاہی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، یا رسول اللہ میں نے تو ان کو خرید کر آزاد بھی کر دیا ہے اس کے بعد حضرت بلال رضؓ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا معتمد اور خزانچی بنا لیا۔ اس کے بعد وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خزانچی بھی رہے اور اذان کے آغاز کے بعد مسلمانوں کے مؤذن اول مقرر ہوئے آزادی ملنے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آقاؤں کے ظلم و ستم سے تو نجات مل گئی لیکن معاشرہ کے دوسرے بدمعاشوں اور سماج دشمن عناصر سے نہ ان کو نجات ملی اور نہ ان جیسے دوسرے کمزور و بے سہارا مسلمانوں کو امان ملی یہ کمزور و ناتواں مسلمان اب اس لیے کافروں اور بدمعاش مشرکوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے تھے کہ ان کو اپنی حمایت کے لیے خاندانی عصبیت، قبائلی حمیت اور ہمدردی قطعاً میسر نہ تھی، مشرکین عام طور پر مسلمانوں کی طرح طرح کی اذیتیں دینے اور قسم قسم کے مصائب و آلام پہنچانے کے درپے رہتے تھے اور ان میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ ایک دن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور اس کے لیے تمام عرب قبائل کا تعاون و اشتراک عمل حاصل کیا تاکہ بنو ہاشم تنہا اس ظلم و ستم کو روکنے اور تمام قبائل کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہ سکیں اس صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے

Marfat.com

شفقت صحابہ کرام کو مکہ سے ہجرت کی بطور خاص اجازت مرحمت فرمادی چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان لوگوں میں تھے جن کو ہجرت مدینہ کی اجازت ملی تھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق خاص اور یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، تو مدینہ اگرچہ اپنے موسمی شدت اور نامناسب آب و ہوا کے لحاظ سے مکہ کے مہاجرین کے لیے مناسب نہ تھا لیکن وہی جگہ مسلمانوں کے لیے سب سے محفوظ و مامون اور ہر لحاظ سے بہتر ثابت ہوئی اور مشرکین مکہ کے ظالم پڑوس سے نکل کر آنے والے بے گھر مسلمانوں کے لیے امن و سلامتی کا گہوارہ اور رحمت و محبت کا عظیم مرکز قرار پایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ ایک ہی گھر میں اُترے جہاں سب کو بخار ہو گیا جو غالباً ملیریا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جب بخار سے ذرا نجات ملی تو انہوں نے گھر کے صحن میں بلند آواز سے کچھ اشعار گنگنانا شروع کیے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ مکہ اور اس کے قرب و جوار کے مکانات و اشجار پہاڑ اور وادیوں کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے ظاہر ہے جس مقام سے انسان کو اتنا لگاؤ ہو اس کے لیے ایسے برانگیختہ جذبات نہ تعجب انگیز ہیں اور نہ فطرت انسانی کے منافی، اس لیے کہ یہی وہ مقامات تھے جہاں حضرت بلالؓ کو ایام جاہلیت میں سختیوں اور اسلام لانے کی پاداش میں مصیبتوں اور

Marfat.com

اس کے بعد کی زندگی میں مسلسل خطرات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اس کے باوجود اس پرخطر ماحول میں بھی وہ اپنے ایمان و ایقان کی خاطر زندگی کی کٹھن منزلیں ہنسی خوشی طے کرتے رہے کہ یہ مقامات انہیں بے حد مرغوب و محبوب تھے گو نئی جگہ ہجرت کرنے کے بعد ان کو خوش آمدید بھی کہا گیا اور وہاں اُن کو امن و سلامتی بھی نصیب ہوئی۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف مکہ اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے بلکہ سفر و حضر اور تمام غزوات میں بھی ان کے ہمرکاب رہے اور جس طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی کی تعمیر اور اس میں پہلی اذان سننے کا شرف حاصل ہوا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مسجد میں پہلی اذان دینے کا فخر نصیب ہوا تمام دوسرے موذنوں پر ان کو یہ تقدم کا یہ شرف دوسرے موذنوں سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے نیز ان کی خوب صورت و بلند آواز اور حسن ادائیگی کی بدولت حاصل ہوا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قائم رہا۔ حضرت بلال رضؓ کا معمول تھا کہ جب وہ اذان سے فارغ ہو جاتے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، یا رسول اللہ کی صدا لگاتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھتے تو اقامت صلوٰۃ کہنا شروع کر دیتے تھے۔ ان کے اذان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ سورج ڈھلتے ہی اذان دیتے تھے مگر اقامت میں تھوڑی بہت تاخیر کرتے تھے البتہ وہ اذان کا صحیح

Marfat.com

وقت کبھی نکلنے نہیں دیتے تھے وہ اکثر وبیشتر بعض اشعار اس وقت ترنم سے گنگنا کر پڑھنا شروع کرتے جب وہ اذان دینے کے لیے چبوترہ پر چڑھتے ان اشعار سے بالعموم اپنی حالت زار استغفار اور طلب رحمت کا اظہار ہوتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے معمولات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ مسجد نبویؐ کی تعمیر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک نیزہ لیے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ اور جہاں اور جس وقت نماز کھڑی ہوتی تو وہ نیزہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے گاڑ دیتے تھے یہ نیزہ ان نیزوں میں سے ایک تھا جو نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجے تھے جن میں سے ایک آپ نے خود رکھ لیا تھا اور دوسرے دو نیزے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو عنایت کر دیے تھے، ایک نیزہ کے متعلق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے ہدایت تھی کہ وہ اس کو ان کے ساتھ لے کر چلا کریں۔ چنانچہ وہ اس نیزہ کو ہمیشہ عیدین اور نماز استسقاء کے موقع پر ساتھ لے کر چلتے تھے اور جب نماز کھڑی ہو جاتی تھی تو اس کو آگے کھڑا کر کے زمین میں گاڑ دیتے تھے، یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلالؓ یہ نیزہ اسی طرح لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی ان کے ہمراہ چلتے تھے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطابق یہ نیزہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

Marfat.com

دورِ خلافت میں بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا اور اس کے بعد بھی نہ صرف ہر دور کے خلیفہ کے لیے نیزہ کے استعمال کا یہ طریقہ رائج رہا بلکہ اس کے بعد بھی ہر عہد کے اور سربراہ مملکت کے لیے یہ سلسلہ بدستور باقی رہا۔

مدینہ پہنچ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے مابین اخوت و مواخاۃ کے سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور ایک مہاجر کو دوسرے انصاری کا دینی بھائی بنا دیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خالد بن رویحہ الغنثعمی کا بھائی بنا دیا۔ لیکن بعض لوگوں کے بیان کے مطابق ابوعبیدہ بن الحارث ابن عبد المطلب کو یا ابوعبیدہؓ الجراح کو ان کا بھائی بنایا گیا لیکن ان دونوں باتوں میں اشتباہ ہونے کے باعث ہمارے نزدیک قابلِ ترجیح مواخاۃ حضرت بلال اور رویحہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے درمیان بہرحال ایک ایسا تعلق تھا جو ان دونوں کی موت تک قائم رہا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ امر بھی مترشح ہوتا ہے کہ آپ

.............. نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تربیت کے لیے منتخب کر لیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضور کی نظر میں تربیت و نصیحت اور تعلیم و تہذیب کی پوری پوری صلاحیت و استعداد رکھتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے۔ مومن کا سب سے بڑا

Marfat.com

عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے اور فرمایا کرتے تھے، "بلال فقیر بن کر زندہ رہو اور فقراء کی موت اختیار کرو۔"

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فاضل مال علیحدہ کرنا چاہتے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرماتے تھے "بلال مجھے اس مال سے چھٹکارہ دلانے کی جلد تدبیر کرو" چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل میں ایسا اُسوۂ حسنہ ملا کہ زندگی بھر آپ کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔

مروی ہے کہ ایک روز رات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جنت میں اپنے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی چاپ سنی، نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت بلال رضؓ سے دریافت فرمایا۔

"بلال یہ تو بتاؤ، اسلام لانے کے بعد اجر کے اعتبار سے تم کس عمل کی بابت زیادہ پر اُمید ہو؟ میں نے ایک رات خواب میں تمہارے دونوں جوتوں کی چاپ جنت میں سُنی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت بلال رضؓ نے اپنے زہد و اتقا کا ذکر کیا نہ اپنے جہاد کا نہ اپنے مصائب و آلام پر صبر کا اور نہ ہی اپنی امانت و دیانت اور نہ اپنے تسلیم و رضا کا بلکہ جواب میں صرف اس قدر کہا "میرے نزدیک اجر و ثواب کے لحاظ سے کوئی عمل طہارت و پاکیزگی سے بڑھ کر نفع بخش نہیں ہے میں طہارت و صفائی کا ہر وقت اس قدر اہتمام رکھتا ہوں کہ صبح سے

Marfat.com

شام تک کسی وقت کی نماز کے لیے بھی مجھے از سرِ نو وضو یا طہارت حاصل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے مومن صادق اور حق پرست امین پہ اس لیے پڑی کہ اس جوہر قابل میں تعلیم و تربیت اور تقلید و اتباع کی نہایت اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ خلوص و محبت اور دیگر فضائل انسانی کی خصوصیات بکثرت موجود تھیں یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زمانہ جنگ و امن اور سفر و حضر میں ہر وقت بحیثیت ایک جاں نثار باڈی گارڈ کے ساتھ رہا کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس طرح کا باڈی گارڈ یا محافظ نہیں سمجھا جیسا کہ امراء و سلاطین کے یہاں سمجھا جاتا ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از خود اپنے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و نگرانی کے فرائض لے لیے تھے اس لیے کہ ان کو رسول کے ہمہ وقتی دیدار اور ان کی سچی رفاقت و مصاحبت سے روحانی سرور اور قلبی سکون حاصل ہوتا تھا۔ گرمیوں میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پہ روانہ ہوتے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ سفر کے دوران جب دھوپ سخت ہو جاتی تھی۔ حضور پہ سایہ کرنے کے لیے کسی نقشین کپڑے کا بندوبست کیا کرتے تھے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان سے اس کی فرمائش نہیں کرتے تھے اور رسول سے اپنی بے پناہ محبت کے باعث بحالت جنگ

Marfat.com

میدان کارزار میں آپ کے لیے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کر دیتے تھے جہاں سے حضور علیہ السلام ہر چیز کا مشاہدہ فرما سکتے تھے اور احکامات جاری کر سکتے تھے اس کے باوجود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خیمہ رسول اور میدانِ جنگ کے درمیان آمد و رفت رکھتے تھے اور حضورؐ کو تمام حالات سے واقف رکھتے تھے اور احکام و اوامر کو بجا لانے میں نہ ان کو کوئی دشواری پیش آتی تھی اور نہ ہی کسی قسم کے خطرہ کو نگاہ میں لاتے تھے اسی کے ساتھ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات، پنج وقتہ اذان دینے اور نماز دل اور مجالس حدیث و وعظ وغیرہ میں کسی قسم کا خلل بھی پڑنے نہیں دیتے تھے خانہ کعبہ فتح ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خانہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا آپ نے فوراً حکم رسول کی تعمیل کی۔ آج مشرکین مکّہ کو اپنے باپ دادا کی خوش قسمتی پر بڑا رشک آرہا تھا کہ وہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں یہ توہین آمیز منظر دیکھنے کو زندہ نہیں تھے جو آج انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا پڑ رہا ہے۔

اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ تین خوش نصیب آدمی اور بھی تھے ایک خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ، دوسرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ حضرت اسامہ بن زیدؓ اور تیسرے خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی وفات تک بحیثیت مجاہد جنگوں میں شریک رہے، اور

Marfat.com

آپ کی وفات کے چند دن بعد تک اذان بھی دیتے رہے لیکن اس کے بعد حضرت بلال رضؓ نے اذان دینے سے انکار کر دیا اور اپنے اس انکار پر مصر بھی رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اذان کے دوران اشہدان محمداً رسول اللہ کہتے تھے تو بے ساختہ رونے لگتے تھے اور آپ کے ساتھ سُننے والے بھی رونے لگتے تھے انہیں اس مقام پر کھڑے ہو کر جہاں اُن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف اور چہرۂ انور کو دیکھتے رہنے کا فخر حاصل رہتا تھا اب اذان دینا گوارا نہ تھا چنانچہ مکہ اور مدینہ سے بے انتہا محبت ہونے کے باوجود وہاں سے چلے جانے پر مجبور ہو گئے اور ساٹھ سال کی عمر میں جو آرام سے زندگی گزارنے کا وقت ہوتا ہے جہاد کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے معتبر روایات کے مطابق انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترک اذان کے ساتھ خود ان سے بھی رخصت ہونے کی اجازت چاہی ۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے شدید اصرار پر مجاہدین کے ساتھ ان کو شام جانے کی اجازت مرحمت فرمادی چنانچہ وہاں پہنچ کر وہ متعدد معرکوں میں شریک بھی ہوئے ۔جن کی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں ہے اس کے بعد وہ دمشق کے قرب وجوار میں حکومت سے تھوڑی سی زرعی اراضی لے کر آباد ہو گئے اور وہیں اس پر کاشتکاری کرنے لگے اور اسی کی پیداوار پر گزربسر کرنے لگے اس کے بعد ان کے متعلق کوئی اطلاع بجز اس کے نہیں ملی کہ کبار صحابہ کی دعوت پر انہوں نے

Marfat.com

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر اذان بھی دی تھی اور ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاسبہ کے واقعہ کے دن سب کو نظر آئے تھے جو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو مجلس حکم میں پیش آیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوئی۔ اس لیے کہ ترجیحی قول کے مطابق وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عمر تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی موت عمواس کے طاعون میں ہجرت کے بیسویں یا اکیسویں سال ہوئی وہ اپنی موت کے بڑے خواہاں تھے کیونکہ جیسا کہ آخری وقت میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات سے ظاہر ہوتا تھا وہ اپنی موت کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ملاقات کا سبب سمجھتے تھے، ان کی موت کے وقت ان کی بیوی ان کے قریب موجود تھیں جو بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رو رہی تھیں اور جب وہ واحزنا، ہائے کیسا غم ہے، کے الفاظ کے ساتھ ماتم کرتی تھیں۔ تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواباً وا فرحا، کتنی خوشی کی بات ہے، سے جواب دیتے تھے، کل تو میں اپنے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی سے جا ملوں گا۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات دمشق میں ہوئی اور باب الصغیر کے نزدیک دفن ہوئے آپ کی قبر آج بھی مشہور اور مرجع خلائق ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اذان اوّل کے انقطاع کے بعد عرصہ دراز تک

Marfat.com

دمشق میں اپنی مسحور کن اذان سے لوگوں کے دلوں کو گرماتے رہے اس کا اندازہ اس بے پناہ محبت و عقیدت کے جذبات سے لگایا جا سکتا ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دلوں میں ان کے لیے موجزن تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ بڑے بڑے علماء و مشائخ کے دلوں میں بھی اُن کی درد بھری آواز سے سخت ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ اس قدر بے تابانہ روتے تھے کہ ان کی سفید براق سی داڑھیاں روتے روتے تر ہو جاتی تھیں۔
اگرچہ وہ لوگ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ یہ آواز گوشت پوست سے بنے ہوئے ایک شخص کے گلے سے نکل رہی ہے جس سے بظاہر کسی اضطراب و بے چینی پیدا نہیں ہونی چاہیے مگر اس شعور کے باوجود جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنتے تھے تو اس میں اُن کو وحی الغیب کی کیفیت محسوس ہوتی تھی چنانچہ وہ پوری توجہ اور غور سے ان کی اذان کی آواز کو سنتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسی مسحور کن اور دلنشیں آواز صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و موجودگی میں ہی سُنی جا سکتی تھی اور جس کو انہوں نے بارہا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و موجودگی میں سنا بھی تھا۔
اگر ایسے سحر آفریں ماحول میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے صوتی اثرات سے لوگوں میں ملاءِ اعلیٰ سے قرب کا احساس ہو جاتا ہو تو اس میں حسرت و استعجاب کی بھی کوئی بات نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت بلال رضؓ کی رُوح پُر فتوح پہ اپنی بے پایاں رحمتوں کا نزول فرمائے آج تک تاریخ اسلام میں داعی اسماء کے معزز لقب سے نوازے اور یاد کیے

Marfat.com

جاتے ہیں اور اس میں شک بھی کیا ہے انہوں نے دعوت الی اللہ کا روحانی نعرہ اتنی زور سے بلند کیا کہ زمین کی پستی میں رہنے والے ایمان و اخلاق کی سطح مرتفع اور روحانیت کے اُفق اعلیٰ پر پہنچ گئے اس لیے اگر اس عہد کے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور صوت بلال رضؓ کو ہر جگہ اور ہر وقت لازم و ملزوم سمجھتے تھے تو غلط نہ تھا بہر حال حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر سیرت کے بارہ میں جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنی دینی و روحانی زندگی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی و ہدایت کے محتاج تھے اسی طرح وہ اپنی دنیوی زندگی کی ضروریات کے لیے بھی ہمیشہ اُسی بارگاہ عالی مقام کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ صحابہ میں سے کسی شخص کو بھی یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی صحابی کے بارہ میں موقع بے موقع کوئی بات کہہ سکے یا سفارش کر سکے، یہ حق بھی صرف نبی محترم کے موذن و ہم نشین اور قلبی دوست حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی زندگی بھر حاصل رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیشت و روزگار کا بندوبست فرمایا تھا ان کی آزادی، ذہنی تربیت اور دینی تعلیم کا اہتمام بھی کیا تھا۔ مختلف روایتوں کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و فہمائش کے مطابق شادی بھی کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ بنو ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر

Marfat.com

ہو کر کہا یا رسول اللہ آپ ہماری فلاں بہن کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئیے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال رضؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ آئے اور انہوں نے دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے نکاح کی درخواست کی، اس کے جواب میں آپ نے پھر وہی کلمہ دہرایا اور کہا کہ بلال رضؓ کے متعلق آخر تمہارا کیا خیال ہے۔ اور جب وہ لوگ اسی درخواست کے ساتھ تیسری مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے جواب میں پھر وہی بات کہی کہ آخر اس جنتی شخص کے بارہ میں تم لوگ کیوں نہیں سوچتے ہو، اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دو۔"

بظاہر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگرچہ ایک سے زیادہ شادیاں کیں لیکن انہوں نے اپنا کوئی وارث وجانشین نہیں چھوڑا۔ قتادہ کی روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی زہرہ کی ایک اعرابی عورت سے شادی کی ایک دوسری روایت کی رُو سے ان کی بیوی کا نام ہندہ الخولانی تھا اور وہ یمنی خولانیوں میں سے تھیں نہ کہ شامی خولانیوں میں سے کیونکہ وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شام کی طرف ہجرت کرنے سے قبل ان کے عقد میں آچکی تھیں ابن اسحٰق نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر غزوہ بدر کے مجاہدین میں بایں الفاظ کیا ہے "حضرت ابوبکر

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام بلال رضؓ کو جو بنو جمح کے مولدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اُمیہ بن خلف سے خریدا تھا آپ کا نام بلال بن رباح ہے اور انہوں نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا ہے"۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اپنا کوئی صلبی جانشین نہیں چھوڑا لیکن انہوں نے اپنے بعد اذان کی صورت میں ایسی لازوال رُوحانی میراث چھوڑی ہے جو دن رات میں پانچ بار ہر مقام پر سُنی جا سکتی ہے۔ اذان سُننے والا کبھی کوئی شخص حق کے اس داعی و منادی اور موذن اوّل کو فراموش نہیں کر سکتا۔

---

Marfat.com

# حضرت بلالؓ کا اِسلام

ایمان خواہ کسی قسم کا ہو ایک متجاوز شے ہے یعنی وہ نہ فردِ واحد کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور نہ ہی کسی مصلحت پر موقوف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ایمان کو ایمان نہیں کہا جائے گا جو انفرادی مصلحت کے گرد گھومتا ہو خواہ اس میں کئی افراد ہی شامل کیوں نہ ہوں اس لیے کہ انسان ایمان کی خاطر مصلحت کو قربان کر دیتا ہے لیکن جب انسان مصلحتوں کا تابع ہو جاتا ہے تو ایسا نہیں کر پاتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کبھی کبھار انسان کسی مصلحت کی خاطر ایمان کو بھی قربان کر دیتا ہے لیکن اس سے اس امر کی ہرگز نفی نہیں ہوتی کہ ایمان مصلحت سے عظیم تر اور بلند تر شے ہے اس سے ہم پہ دو حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں ایک یہ کہ ایسا انسان اعلیٰ اور افضل شے کے عوض ادنیٰ اور کمتر شے کا سودا کرتا ہے دوسرے یہ کہ ایسا شخص ضعیف الاعتقاد ہوتا ہے اور اس میں ایمان کی استعداد و صلاحیت بنیادی طور پر کمزور ہوتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کبھی کسی جلد یا بدیر مصلحت کی اساس و بنیاد پہ قائم نہیں ہوتا اور اس واضح حقیقت کے ثبوت میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ لوگ اپنے

Marfat.com

ایمان کی خاطر گو کم ہی سہی مصلحتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔

بہرحال اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک انسان اگر کسی مصلحت کی خاطر ایمان کو بھلا بیٹھے یا اس کو نظر انداز کر دے تو اس کی ہم یہی توجیہ کریں گے کہ ایسا شخص مصلحت سے مغلوب ہو گیا اور اپنے ایمان میں کمزور ثابت ہوا لیکن اگر کوئی شخص ایمان کی خاطر مصلحت کو یکسر نظر انداز کر دے تو اس کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ایمان اور مصلحت درحقیقت دو مختلف و متضاد چیزیں ہیں نیز یہ کہ مصلحت خواہ قوی ہو یا کمزور ایمان سے کلیتاً علیحدہ اور ممتاز شے ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ جب آخرت کی مصلحت انسان کے پیشِ نظر ہوتی ہے تو اس کے باعث انسان دنیوی مصلحت کو نظر انداز کر دیتا ہے اس لیے کہ آخرت کی مصلحت تو خود انسان کے ایمان بالغیب کا طبعی تقاضا ہے جسے بہرحال مصلحت پر فوقیت حاصل ہے بہرحال اس کے باوجود ہمارے اس زمانہ میں کچھ لوگ مثلاً کارل مارکس کے متبعین جو مادیات میں یقین رکھتے ہیں اور اس محسوس مادی دنیا کے سوا ہر چیز کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ تمام ادیان و مذاہب اور ہر وہ شے جو انسان کے ضمیر میں خلش پیدا کرتی ہے وہ انسان کی مادی زندگی کی ہی ایک شکل اور اس کا ایک عکس ہے جس کے بعد نہ حیات بعد الممات کوئی شے ہے اور نہ وہاں نفس و روح کا کوئی سوال ہے اس کے باوجود ان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے خیالات کے باعث ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں، جلا وطنی کا

Marfat.com

سامنا بھی بعض اوقات کرتے ہیں اپنی زندگی کو خطرہ میں بھی ڈالتے ہیں حتیٰ کہ اپنے معتقدات و نظریہ کی حفاظت کی خاطر اور دوسروں کے معتقدات کے انکار کے باعث اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور یہ امر تو کسی طرح معقول نہیں کہ انسان محض اس لیے اپنی زندگی کو داؤں پہ لگا دے کہ اس کو عمدہ اور نفیس کھانوں کی خواہش ہے یا اسے آسودہ اور خوش حالی کی زندگی کی تمنا ہے اور اس سے بھی زیادہ نامعقول بات یہ ہے کہ انسان اس لیے اپنی جان گنوا دے کہ مرنے کے بعد اس کو عیش و آرام کی زندگی اور نفیس اور اعلیٰ نعمتیں ملیں گی۔ لیکن اس کے باوجود انسان زندگی کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے ایسی صورت میں اس کے سامنے اس مسئلہ نفع نقصان کے حساب لگانے یا بڑی مصلحت کے مقابلہ میں چھوٹی مصلحت کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لیے اس قربانی پہ خوشی خوشی آمادہ ہو جاتا ہے کہ اس کا مقابلہ ایسی قوت سے آپڑا ہے جس کے ہاتھ میں خود اس کی نکیل ہے اور وہ قوت جس طرف چاہتی ہے اس کو موڑ دیتی ہے خود اس کے اندر اس قوت کی مزاحمت کا حوصلہ نہیں ہوتا کہ جس طرف کو چاہے اس کو موڑ دے دنیا میں لاتعداد عقائد اور بکثرت عبادتیں بھی پائی جاتی ہیں لیکن ایسا کوئی عقیدہ آج تک مشاہدہ میں نہیں آیا جو زندگی کی قربانی تو چاہتا ہو مگر ایمان بالحق یا باطل کے جذبے سے خالی ہو، اسی طرح ایسے عقیدہ کا بھی وجود نہیں ملتا جو زندگی کی قربانی طلب کرتا ہو اور اس کا وجود ایسی منفعت پر

Marfat.com

مبنی ہو جو صرف اس کی ذات تک محدود ہو اور کسی دوسرے انسان تک اس کا فیض نہ پہنچتا ہو۔ بہر حال ایسی منفعت فرد واحد سے متجاوز ہو کر صلائے عام کے طور پر دوسروں کے لیے بھی عام ہو جائے تو اس وقت یہ ایسا مسئلہ حق بن جاتا ہے جو مخصوص مفاد کے علاوہ افراد کے وجود سے گزر جاتا ہے غرضکہ ایمان حق کے مثبت شعور کا نام ہے جس میں کسی مصلحت کی آمیزش نہیں ہوتی۔ البتہ ایمان سے قبل کبھی کوئی مصلحت عقیدہ کے راستہ میں حائل ہو جاتی ہے اس لیے کہ وہاں مصلحت تو موجود ہوتی ہے لیکن وہاں ایمان کا وجود نہیں ہوتا ہے لیکن جب ایمان اور عقیدہ دونوں ایک ساتھ موجود ہوں تو یہ دو مختلف اور علیحدہ چیزیں ہوتی ہیں ایک نہیں اور ان کا تعلق دو مختلف معدنوں اور مرکزوں سے ہوتا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام سے مذکورہ بالا حقیقت کا پورا نقشہ ذہن میں اُبھرتا ہے ہم چاہتے ہیں غلاموں کے معاملہ میں اسلام کو جو فضیلتیں اور خصوصیتیں حاصل ہیں ان کا تفصیل سے جائزہ لیں لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہاں ایک دوسری حقیقت بھی اجاگر ہو کر سامنے آجائے اور وہ یہ ہے کہ یہاں سوال محض غلاموں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے سبب کا نہیں ہے جسے بالعموم حق اور جمال حق کے شعور یا باطل پر غلبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بہر حال اسلام کی راہ میں ان غلاموں کو ایسے اندوہناک مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا

Marfat.com

جیسا دوسرے غلاموں اور کنیزوں کو مشرکین کے ہاتھوں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ سب سے پہلے جو آٹھ بزرگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں حضرت خدیجہ رض، احضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عمار، حضرت سمیہ، حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسلام کے اوّلین راویوں کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دُوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر جنہیں اپنی قوم کی مدد و حمایت حاصل تھی باقی لوگوں کو مشرکین نے اپنی گرفت میں لے کر سخت اذیتیں دینا شروع کیں، وہ ان کو لوہے کا لباس پہنا کر تیز اور سخت دھوپ میں بٹھا دیتے تھے اور مشرکین میں سے ہر شخص اول فول بکتا ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہوا آتا تھا لیکن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا معاملہ ہی دگرگوں تھا انہوں نے اپنی ہستی کو فنا فی اللہ کر لیا تھا اور ہر قسم کی سختیوں کو خاموشی سے جھیلنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا چنانچہ ظالم مشرکین ان کو لڑکوں کے حوالہ کر دیتے تھے جو ان کو مکہ کی گھاٹیوں میں گلے میں رسی ڈال کر کھینچے پھرتے تھے لیکن اسلام کے شیدائی اور محمد عربی کے جاں نثار بلال رضؓ پھر بھی احد احد کی ہی صدا لگاتے رہتے تھے۔ اور ہر مصیبت اور ہر اذیت پہ راضی برضائے الٰہی رہتے تھے اور زبان سے اُف تک نہ کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ

Marfat.com

انتہائی بے بس و بے کس مسلمانوں میں سے تھے اور جس دن وہ مسلمان ہوئے تھے سخت ترین مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے تاکہ دین اسلام سے تائب ہو جائیں لیکن اس کے باوجود مشرکین ان سے وہ کلمات کہلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکے جو وہ ان سے کہلوانا چاہتے تھے ۔ اُمیہ بن خلف ان کو خصوصیت سے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا کرتا تھا جس شدت سے ظالموں کا عذاب بڑھتا جاتا تھا اتنی ہی شدت اور زور سے وہ احد احد کا نعرہ بلند کرتے تھے یہ سُن کر جب ظالم ان سے کہتے تھے وہ کہو جو ہم کہتے ہیں تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جواب میں کہتے تھے "یہ تو مجھے کہنا نہیں آتا" اس پر وہ اُن کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے ان کے سینہ پر تپتے ہوئے گرم پتھر رکھتے اور اوپر سے دباغت کیا ہوا چمڑا اُن کو اُڑھا دیتے تھے ۔ اور جب وہ ان سے لات و عزیٰ کہلوانا چاہتے تو وہ جواباً "احد احد کہتے تھے ۔" جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ حالت زار دیکھی تو ظالم مشرکین سے کہا ، اس غریب انسان پر آخر اتنا ظلم کیوں کر رہے ہو؟ اور بالآخر انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس مصیبت عظمیٰ سے نجات دلائی اور ان کو سات اوقیہ سونے میں خرید کر آزادی کی نعمت سے مالا مال کر دیا ۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ابوجہل شام کو جب گھر آتا تو آتے ہی حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دینا اور فحش بکنا شروع کر دیتا حتیٰ کہ ایک روز اس نے حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو تیر مار کر شہید ہی کر دیا ۔

Marfat.com

یہ اسلام کی راہ میں پہلی جانی قربانی تھی اور اسلام لانے والے تمام مردوں اور عورتوں میں پہلی مسلمان عورت کی شہادت تھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد جن رُوح فرسا مظالم اور ہولناک اذیتوں کا مقابلہ ایسی صورتِ حال میں نہایت خندہ پیشانی سے کیا جب کہ ان کو اسلام کی عطا کردہ مراعات و مواعید کا علم بھی نہ تھا۔ انہوں نے کبھی ان چیزوں کے متعلق غور و فکر کرنے اور تحقیق و جستجو کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی، اسلام نے قیدیوں اور غلاموں کے سلسلہ میں کیا احکام نافذ کیے ہیں ان کا تفصیلی علم بھی اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو تھا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ تو دوسرے غلاموں اور کنیزوں کی طرح بالکل ہی ان مراعات سے ناواقف تھے پھر کسی شخص کے دل میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اذیت ناک حالات کو دیکھ کر یہ خیال کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید انہوں نے ایام جاہلیت کے لوگوں کی بدمعاملگی اور اسلام کے حسن معاملہ اور تالیف قلوب کو دیکھ کر اور دونوں کا موازنہ و مقابلہ کر کے نئے دین کو اختیار کر لیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی وجہ نہ مشرک آقاؤں کی غلامی سے نجات حاصل کرنا اور ظالموں کے ظلم و ستم سے رہائی پانا تھی اور نہ ہی قبل از اسلام مشرکین کی بدمعاملگی اور بدسلوکی اس کا سبب تھی اور بالفرض اگر حسن معاملہ ہی دین جدید کو اختیار کرنے کی وجہ ہوتی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس وقت تک اپنے مسلمان ہونے کا انتظار کر سکتے تھے جب تک کہ اُن کے آقا

Marfat.com

مسلمان نہ ہو جاتے تاکہ ان کو مستقبل میں ان سے اچھے سلوک کی توقع ہوتی یا
اُس وقت تک مسلمان نہ ہوتے جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کافی نہ
ہو جاتی تاکہ وہ استقبال کرنے والے اور نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے والے
مجمع میں علی الاعلان اپنے اسلام کا اعلان کر سکتے چند بے یارو مددگار اور
کمزور مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنے لیے بے پناہ مصائب و آلام کو
ہرگز دعوت نہ دیتے پھر اس سے بھی عجیب اور طرفہ خیال یہ ہے کہ اسلام
نے چونکہ آزاد اور غلام کے مابین فرق و امتیاز مٹا کر مساوات قائم کر
دی ہے اس لیے غلام جلد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن انہیں اس کے
ساتھ یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ اس نوع کی مساوات کو تو انہیں عجب و
تکبر میں مبتلا کر کے اسلام میں داخل ہونے سے قطعی روک دینا چاہیے
تھا حالانکہ دین جدید کی خوشخبری پا کر جس طرح غلام داخل اسلام ہوئے
اسی طرح احرار و آزاد لوگوں نے بھی اسلام کو خوش آمدید کہا اور اگر بلال
وصہیب رضی اللہ عنہما اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے دین اسلام کو
قبول کرنے اور ایمان لانے کی یہی ایک وجہ تھی کہ اس نے انہیں اور ابوبکر
و عمر، حمزہ و عثمان، علی اور طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر
لا کھڑا کر دیا تھا تو ان لوگوں کے ایمان قبول کرنے کی کیا مصلحت ہو گی جو
اپنی بلند حیثیت اور اعلیٰ قدر و منزلت کے باوجود اپنی خوشی سے کمزور
و بے کس غلاموں کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے
جو فخر و مباہات کے اعتبار سے عرب کے تمام قبائلی سرداروں میں نہایت

Marfat.com

ممتاز حیثیتوں کے مالک تھے غرضکہ حق اور اس کے باعث نفس و روح کی تسکین ایسی عظیم شے ہے جو ہر جدید عقیدہ اور ہر ایسی مصلحت انسانی کی تعلیل و توجیہہ کی بنیاد بن سکتی، جو افراد کے مصالح و مفاد سے بالاتر ہو۔ چنانچہ ہمیں ایمان وہیں ملتا ہے جہاں نفس کو حق محبوب اور باطل مکروہ معلوم ہوتا ہے، خواہ حق کی محبت اور باطل کی کراہت و نفرت میں کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں یا خود زندگی ہی اس راہ میں کیوں نہ ہاتھ سے چلی جائے، پس نہ غلام اس لیے دولت ایمان سے سرفراز ہوئے ہیں کہ اسلام ان میں اور احرار میں برابری اور مساوات قائم کرتا ہے اور نہ احرار و آزاد اس لیے ایمان لائے کہ اسلام نے اونچ نیچ امیر و غریب اور سماجی حیثیت کا فرق مٹا کر احرار و غلاموں میں مساوات قائم کر دی ہے مساوات کے اس آخری مقصد میں لوگوں کے ایک فریق کی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے اور ایمان اور مصلحت ہمیشہ دو مختلف چیزیں ہوتی ہیں اور جن کا تعلق دو مختلف معاون سے ہوتا ہے پس مصلحت ایسی شے ہے جس کا تعلق فرد کی پوری زندگی یا اس کی زندگی کے کسی جزء سے ہوتا ہے لیکن ایمان ایسی ابدی اور دائمی شے ہے جو فرد واحد سے متجاوز کر جاتی ہے حتیٰ کہ کبھی ایمان کی راہ میں مصلحت اور زندگی دونوں قربان کر دینا پڑتی ہیں کیا بت پرستی اور بعض آسمانی مذاہب میں ایسے لوگ نہیں پائے جاتے جن کا ایمان اپنے ایسے ارباب اور ناخداؤں پر ہوتا ہے جو ان کے اور ان کے آقاؤں کی عزت و وقار میں نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دوسری دنیا میں بھی بڑا فرق سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

اور کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ لات و عزیٰ اور ایام جاہلیت کے دُوسرے ارباب پر ایمان نہیں رکھتے تھے جن سے نہ خود ان کو کبھی عدل و انصاف کی توقع تھی اور نہ ہی اپنے اور دُوسرے غلاموں کے لیے جابر آقاؤں کے مقابلہ میں ان سے عدل و مساوات کی اُمید تھی چنانچہ جب ان ارباب اور ناخداؤں کے مختلف طرزِ عمل نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بالکل بدگمان کر دیا تو ان کا حسن ظن خدائے واحد کی یکتا ذات والاصفات کے ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا جس نے ان کو جاہلیت کے دین سے یکسر برگشتہ و بددل کر دیا اور خدائے قدوس کی وحدانیت کا نقش ان کے دل پر ایسا بیٹھا کہ ان کی زبان سے کلمۂ توحید کا ورد جاری ہو گیا اور اس ذکر نے ان کے دل میں اپنا گھر کر لیا، اس ذکر میں اس وقت اور بھی شدت پیدا ہو جاتی تھی جب ان کو بدبخت ظالم آقاؤں کی نظر کے سامنے ہولناک مظالم کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ غرضیکہ خدا کی وحدانیت اور توحید سے بھرپور صرف ایک مختصر کلمہ "احد" ہی دین جدید سے عشق اور دین قدیم سے بیزاری اور نفرت کا سبب بنا اور اس مختصر سے کلمہ صادق نے ان کے دل میں ایمان صادق کی ایسی شمع روشن کر دی جس نے ان کی روح کو منور اور قلب کو روشن کر دیا۔ اور اگر وہ احد کی بجائے رحیم کہنا شروع کر دیتے تو شاید لوگ یہ سمجھتے کہ یہ کسی ایسے بُت کا نعرہ لگا رہے ہیں جو صفت رحم سے متصف ہے یا یہ خیال کیا جاتا کہ وہ ظلم و ستم کے شدید لمحات میں اس لیے رحیم کے نام کی دہائی دے رہے ہیں اور ظالموں کو اس کی

Marfat.com

یاددہانی کرا رہے ہیں لیکن چونکہ وہ کلمۂ توحید کی تکرار جاری رکھے ہوئے
تھے اور اس کے سوا کوئی بھی دوسرا کلمہ اُن کی زبان سے نہیں نکلتا تھا
تو اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ ایک طرف اپنے معبود کی ایک ایسی
صفت کا برملا اظہار کر رہے ہیں جو ارباب جاہلیت میں سے کسی میں
بھی نہیں پائی جاتی ہے اور دوسری طرف اس سے اس یگانہ صفت کا
اظہار ہوتا ہے جو ایمان کو خالص ایمان بالحق بناتی ہے اور جہاں رحمت
مغفرت یا جزا کا انتظار نہیں ہوتا ہم یہ نہیں کہتے کہ ایمان اور مصلحت
کبھی یکجا جمع نہیں ہوتے اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ مومن کے دل میں کبھی
مصلحت کا خیال نہیں گزرتا ہے یا عبادت و عقائد کی تبدیلی میں مصلحت
کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ مصلحت تو بہت سے لوگوں کو دین جدید کے
قبول کرنے سے بھی روک دیتی ہے اور کبھی ذہن کو ایسی باتوں کو توجہ
سے سننے کی طرف مائل کر دیتی ہے جس کے بعد خوشی و راحت اور
اطمینان و تصدیق کی دولت ملتی ہے اسی طرح مصلحت کا تعلق کبھی
فرد واحد سے ہوتا ہے اور کبھی ہزاروں لوگوں سے ، لیکن مصلحت
اور ایمان کو خیر عام کے جذبہ سے ایک ساتھ جمع بھی کیا جا سکتا ہے
لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مصلحت غیر ایمان ہے اور یہ دونوں
علیحدہ ہو جاتے ہیں اور کبھی مل بھی جاتے ہیں اور اگر مصلحت ہی
ایمان ہے تو ایسی جگہ مصلحت کا وجود تو ہوگا لیکن وہاں ایمان کا مطلقاً
گزر نہ ہوگا انسان کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ایمان کو وسیلہ بنائے بغیر

Marfat.com

مصلحت کے لیے تگ و دو کرے اور یہ بھی بہت کافی ہے کہ وہ مصلحت سے چمٹا رہے مگر اس مصلحت کو کھینچ کر وہاں تک نہ لے جائے جہاں موت کو محبوب سمجھا جاتا ہے، بہرحال ایمان ہر وقت اور ہر زمانہ میں پایا گیا ہے اور یہ جزا اور صلہ کے انتظار اور اُمید کے ساتھ بھی پایا گیا ہے اور جزا اور صلہ سے مایوسی کی حالت میں بھی اس کا وجود عنقا نہیں رہا ہے اس لیے یہ کہنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں کہ فلاں شخص ایمان لایا ہے اور اس کے ایمان لانے میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے بیشک وہ مصلحت کے ساتھ دوسری شے کو شامل کر رہا ہے اور وہ سب کچھ ایمان کا سہارا لینے کی خاطر کر رہا ہے مگر حاشا و کلاّ عرب کے تپتے ہوئے ریگزار اور گرمیوں کی تیز اور چلچلاتی دھوپ میں بہ جبر لٹائے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معاملہ اس شخص کا سا قطعاً نہ تھا۔ جس کا مقصد وحید ظالم آقاؤں کے ظلم و ستم سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہوتا ہے اسی طرح ان کی کیفیت جب کہ وہ احد احد کی تکرار کرتے تھے اس شخص سے ملتی جلتی بھی نہ تھی جو اگرچہ دین جدید کو اختیار کیے ہوئے ہے لیکن نہ ماضی و حال کے دینوں کے مابین فرق و امتیاز سے واقف ہے اور نہ ہی دین جدید کی خوبیوں کے متعلق بجز۔ غلاموں پر دنیوی اور اُخروی رحم و کرم کے اس کو کوئی علم ہے۔ یہ عین ممکن تھا کہ یہ ظالم لوگ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل ہی کر ڈالتے کیونکہ نہ وہ ان کے بتوں کی تعظیم کے لیے تیار تھے اور نہ ہی سکوت اختیار کرتے تھے اور غالباً وہ اب تک ان کو قتل کر بھی چکے

Marfat.com

ہوتے اگر ان کو بار بار یہ خیال نہ آتا کہ ان کے قتل سے ان کی اچھی قیمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے اور ابوجہل نے تو اپنی باندی حضرت سمیہ کو شاید اسی لیے قتل کر دیا تھا کہ وہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور قابل فروخت نہیں رہی تھیں اور نہ ہی اُن کو کسی دوسری باندی کے عوض بدلا جا سکتا تھا لیکن انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو اس مصلحت سے قتل نہیں کیا کہ یہ لوگ بڑے کار آمد تھے اور اُن کو بہ آسانی فروخت بھی کیا جا سکتا تھا بہرحال حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بالآخر اس وقت ضرور ان کے ہاتھوں قتل ہو جانا تھا جب وہ ان سے بالکل مایوس ہو جاتے اور کوئی مشرک ان کو خریدنے کے لیے آمادہ نہ ہوتا غرضکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام نہ سکون و راحت کی تلاش کی خاطر تھا اور نہ ہی تخفیف عذاب کے لیے تھا بلکہ ان کا اسلام تو دردناک مظالم و جسمانی عذاب کا پیش خیمہ اور ان کی جان کے لیے زبردست خطرہ تھا پھر آخر یہ کس قسم کا عذاب تھا جس کا نہ سلسلہ ختم ہونے کو تھا اور نہ اس میں تخفیف کی کوئی صورت نظر آتی تھی۔ اس سلسلہ میں بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام رفقاء نے مشرکوں کے ہاتھوں بہرحال ہر قسم کے دردناک عذاب اور رُوح فرسا مظالم نہایت خندہ پیشانی اور بڑے حوصلہ سے برداشت کیے اور اُف تک نہ کی انہی جانباز مجاہدو اور سرفروشوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑھاپے کے

Marfat.com

باوجود موت سے ڈرنے والے شخص نہیں تھے لیکن اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان کو ایسے ہولناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے عذاب کا نشانہ بنایا جاتا تھا کہ وہ چیخ اُٹھتے تھے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے درآنحالیکہ ان کی عمر نوے سال سے اُوپر تھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی غزوات میں شریک رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے: "عمار بے شک سراپا ایمان ہیں" اور آپ نے ان کو مسلمانوں کے لیے اُسوہ حسنہ اور نمونہ عمل قرار دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تاکید فرماتے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کریں اور ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایمان کی طلب و تلاش راحت و سکون اور حُسنِ سلوک کی خاطر نہ تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ راحت و آرام کے ساتھ ہر طرح کا مادی فائدہ بھی حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھ شریکِ جنگ رہنے میں ہے لیکن اس کے باوجود وہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمرکاب رہے تاکہ ان کے جھنڈے کے نیچے موت سے ہمکنار ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتحیابی کی صورت میں بھی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ دولت نثار نہ کر دیتے اور نہ ہی ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ آرام و

Marfat.com

فراخی حاصل ہو سکتی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تو ان کو صرف آذوقہ حیات کی ہی اُمید ہو سکتی تھی - حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق یہ قول صادق آتا ہے کہ ان کو نہایت اعلیٰ اور نفیس ترین دولت ایمان نصیب ہوئی تھی کیونکہ ان کا ایمان دراصل ایسا زرخالص تھا جس میں ایمان کی محبت کے سوا کسی دنیوی لالچ یا اُخروی جزا کی بھی قطعاً آمیزش نہ تھی وہ ایمان برائے ایمان کی مجسم تصویر تھے اور مومن صادق کی پہچان یہ ہے کہ وہ نہ عقیدہ کے بغیر زندگی گزارنے پر راضی ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے عقیدہ کے برخلاف ماحول میں زندگی کو قابل قبول سمجھتا ہے چنانچہ وہ موت کو ایسی زندگی پر ترجیح دیتا ہے جو اس کے معتقدات سے مطابقت نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ جنت کی طلب میں موت کی تمنا کرتا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں مادی زندگی اور مادیات پر یقین رکھنے والے لوگوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اپنے خیالات اور معتقدات کی خاطر جان دے دیتے ہیں حالانکہ ان کو موجودہ مادی زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کی کوئی اُمید نہیں ہوتی اور جنت ہر اس شخص کو محبوب ہوتی ہے جو اس پر یقین رکھتا ہے پس اس شخص میں جو جہاد کرتا ہے اور اس شخص میں جو جہاد نہیں کرتا ہے اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ایک جنت کو بُرا سمجھتا ہے اور دوسرا اسے محبوب رکھتا ہے ان دونوں میں جو کچھ فرق ہے وہ ایمان کی قوت یا عقیدہ کا ہے اور یہ قوت ایمانی

Marfat.com

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اتنی زیادہ تھی جتنی کسی انسان میں ممکنہ حد تک ہو سکتی ہے اس کے باوجود حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نفس پر موت بڑی آسان رہی ان کو موت سے ملاقات کے دس بار مواقع ملے اور اگرچہ وہ نوّے سال سے زائد عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں عمر بھر شریک رہے لیکن موت ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کے نیچے معرکہ صفین میں آنی تھی مگر وہ دردناک اور روح فرسا عذاب جس کا سابقہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مدت تک پڑتا رہا اور جسے وہ انتہائی صبر و استقلال اور عزم و استقامت سے برداشت کرتے رہے انہیں برداشت کرنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے لیے دوبھر ہو گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ احرار کی بہ نسبت غلاموں نے دینِ جدید کو قبول کرنے میں زیادہ عجلت اور مستعدی دکھائی لیکن اس سے جو بات سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ غلاموں کو دعوتِ جدید کی طرف مائل کرنے میں مصلحت کا کوئی دخل نہیں تھا البتہ بعض احرار کے سامنے بعض ایسی مصلحتیں موجود تھیں جو ان کو اسلام قبول کرنے اور اس کی تصدیق کرنے کے علاوہ ایام جاہلیت کے عقائد کو باطل اور لغو سمجھنے سے باز رکھتی تھیں بہر حال یہ کہنے میں کہ کوئی مصلحت دین کو سمجھنے اور اس کو قبول کرنے میں حائل نہیں تھی اور یہ کہنے میں بڑا نہ بہ دست فرق ہے کہ دین ہی دراصل مسلمانوں کے لیے مصلحت کے مترادف تھا۔ اس لیے کہ اگر عقیدہ سے مصلحت مراد ہو تو عقیدہ کا وجود دنیا سے

Marfat.com

ناپید ہوجائے گا حالانکہ مفاد کا وجود تو دنیا میں عقیدہ کے بغیر بھی پایا جاتا ہے چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں محبت اور جذبہ اخلاص بدرجہ اتم موجود تھا اس لیے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت و اخلاص کا پیکر سمجھ کر ان کی فوری تصدیق کی اور چونکہ اُن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر شعوری طور پر مکمل اطمینان و اعتماد تھا اس لیے اُن کو آپ کے قول و فعل سے قلبی سکون و اطمینان حاصل ہونے کے ساتھ آپ کی عملی تقلید سے بھی بے حد بے پایاں مسرت ہوتی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک شخص کو یہ اعلان کرتے ہوئے سُنا کہ پوری قوم اُمتِ واحدہ ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں یہ منادی کرنے والا شخص نہ صرف بنی ہاشم میں بلکہ تمام قبائل عرب میں عزت و مرتبہ کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ مقام پر تھا بس یہی ایک وجہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے اور اسلام کو دل سے قبول کرنے کی تھی اسلام کی یہ دعوت جو ایک ایسے صاحب حسب و نسب اور گرامی قدر ہستی کی طرف سے دی جا رہی تھی جس کے سامنے اپنا کوئی ذاتی مقصد نہ تھا، عقیدہ کی سچائی اور اسلام کی حقانیت کی اساس و بنیاد تھی اسی حقانیت و اخلاص سے متاثر ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف اس قدر جلد مائل ہو گئے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و دعوت پر وہ صدق دل سے ایمان لے آئے تو اب ان کے سامنے معاملات میں موازنہ کرتے کمی بیشی یا نفع نقصان کا حساب

Marfat.com

لگانے کا مسئلہ باقی نہیں رہ گیا تھا بلکہ اب تو ان کے سامنے اصل مسئلہ ایمان سے لذت و سکون اور قلبی طمانیت و راحت حاصل کرنے کا تھا چنانچہ جب ان کو ایمان کی دولت سرمدی حاصل ہو گئی اور اس کی حلاوت اُن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تو اسلام و ایمان کی راہ میں ہر مصیبت اُن کے لیے راحت بن گئی اور ہر مشکل آسان ہو گئی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے عقیدہ سے بے پناہ لگاؤ، اسلام سے خلوص اور نبی کریم صلعم سے محبت کی بنا پر تمام صحابہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی لوگ ان کو جلیل القدر صحابہ کے برابر سمجھتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کہا کرتے تھے "ابوبکر ہمارے آقا و سردار ہیں اور انہوں نے ہی ہمارے آقا کو آزاد کرایا ہے۔" اور اس معزز لقب سے اُن کی مراد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے، ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ابوسفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو بن حارث اور کچھ دوسرے عرب سرداروں نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا چاہی اور اُن کے ساتھ حضرت بلالؓ اور حضرت صہیب رضؓ نے بھی حضرت عمر رضؓ سے ملنے کی خواہش کی، آپ نے ان موخر الذکر دونوں لوگوں کو ملاقات کے لیے اندر بُلا لیا تاکہ پہلے ان کی بات سُن لیں اور بعد کو اطمینان سے عرب سرداروں سے ملاقات کریں اس پر ابوسفیان کو سخت صدمہ

Marfat.com

پہنچا اور وہ نہایت برہم ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا آج جیسا دن کبھی ہم پر نہیں گزرا۔ عمرؓ نے ان لوگوں کو تو اجازت دے دی اور اندر بلا لیا اور ہم کو دروازہ پہ ہی کھڑا رکھا اس پر سہیل جو زیادہ بردبار اور انصاف پسند شخص تھے بولے "اے میری قوم کے لوگو قسم ہے اللہ کی ..... آج اگر تم کو غصہ نکالنا ہے تو اپنی جان پر نکالو۔ پوری قوم کو اسلام کی دعوت دی گئی اور ساتھ میں تم کو بھی اسلام کا پیغام پہنچایا گیا اور اسلام لانے کی دعوت دی گئی انہوں نے سبقت کی اور جلدی دکھائی اور تم نے دیر لگائی اُس دن کیا ہو گا جب قیامت کے دن وہ بلائے جائیں گے اور تم نظر انداز کر دیے جاؤ گے۔"

دین جدید کے ادب و شائستگی اور اعلیٰ تربیت نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے موت کو آسان اور مشرکین کی المناک بدسلوکیوں اور ہولناک اذیتوں کو حقیر شے بنا دیا تھا اور یہی وہ چیز ہے جو انسانی نفس میں عقیدہ کی رُوح پھونک کر اس کو منفعتوں اور مصلحتوں سے مافوق و بالاتر بنا دیتی ہے یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم و تربیت اور ادب ہی تھا جو احرار کو بھی نہایت محبوب تھا اور اسی لیے وہ اس کی تصدیق کی طرف متوجہ ہو گئے اور عقیدہ کا رجحان اسقدر تمام کو پہنچ گیا جب کی محبت رغبت اور تصدیق پایہ تکمیل کو پہنچ گئی مختصر یہ کہ تمام انسان قیامت تک اس نہج پر فکر و عمل کی منزلیں طے کرتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی میں وہ لمحہ بڑا نازک ہوتا ہے جب اس کو کسی چیز پر ایمان لانے اور اس کے داعی کی تصدیق کرنی پڑتی ہے اور جب یہ معاملہ اپنے آخری حد کو پہنچتا ہے تو انسان کے سامنے

Marfat.com

اس سے نجات پانے کی صرف تین صورتیں ہیں یا موت کو خوش آمدید کہا جائے یا جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر قناعت کی جائے یا ایمان کی دولت سرمدی حاصل کی جائے خواہ وہ کہیں بھی ملے۔

---

Marfat.com

# حضرت بلال رضؓ کے اوصاف واخلاق

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، متوازن الطبع اور مساوی الفطرت انسان تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنس قوی الطبع بھائی بندوں کی طرح حوادثات و مصائب سے بلا خوف و خطر گزر جاتے تھے افریقی غلاموں کی صفات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ اپنے بدخواہوں اور دشمنوں سے برائیوں کا بدلہ لے لیتے تھے اور جو کوئی ان سے حسن سلوک کرتا تھا اس کے احسان کو بھی عمر بھر نہیں بھولتے تھے اور دونوں طبقوں کے ساتھ ہر دو قسم کے اوصاف کا مظاہرہ اور ردِ عمل کا اظہار کرتے تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اپنی مجمل صفات اور اقدار سیرت میں اپنے ہم جنسوں کی طرح ہی تھے وہ ابنائے قوم اور اپنے بھائی بندوں کے جن اوصاف و اخلاق سے متصف تھے ان میں امانت و دیانت طاعت و محبت اور صدق و صفا کے اوصاف شامل ہیں لیکن اسی کے ساتھ دشمنی اور سخت دلی کے موقعوں پر ان میں دشمنی اور قساوت قلبی کے آثار بھی پائے جاتے تھے مگر وہ قساوت قلبی اور عناد کا مظاہرہ کرنے میں کبھی پہل نہیں کرتے تھے اور ان کی قساوت یا سخت دلی کسی وجہ یا سبب کے بغیر نہیں ہوتی

Marfat.com

تھی اور وہ عناد میں بھی حق و صداقت ایمان اور اصابت فکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے ابن رومی کے اشعار ان کی سیرت کی عکاسی کے لیے کافی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے :-

"جب زمین نے تمہارے ڈالے ہوئے بیج کا ثمرہ پیداوار کی صورت میں تمہیں ادا کر دیا تو تمہارے لیے یہ کافی ہے - اور اگر اس طرح قرض وصول ہو جائے تو بُرا کیا ہے ، بُرائی کی بات تو یہ ہے کہ تم مقروض ہو اور کسی کا قرض اتار بھی نہ سکو -"

چنانچہ جن لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ بُرائی کی وہ ان میں بُرائی کے اثرات کی تعریف نہیں کر سکتے تھے مگر ایسے لوگ بالعموم ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے بھی خواہاں رہتے تھے درآنحالیکہ وہ خود ان کے ساتھ بُرائی کرنے میں پہل کر چکے تھے اور جب یہ لوگ ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تھے تو پھر ان کی عیب چینی اور بُرائی بیان کرنے میں لگ جاتے تھے - اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ جب ایک خریدار اُن کے آقا کے مقابلہ میں ان کی خریداری کے لیے مقابلہ میں آ گیا - اس پر ان کے آقا نے متعجب ہو کر کہا تم اس کو خرید کر کیا کرو گے یہ تو بڑا خبیث اللسان ہے حتیٰ کہ ان کے غصہ اور خفگی کو بھی اس نے ان کی بد معاملگی اور سوءِ معاشرت پر محمول کیا - بہرحال ان چیزوں کے باوجود سب لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ، کی تعریف میں رطب اللسان تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ بڑے خوش مزاج

Marfat.com

اور صادق الایمان شخص تھے اور خبث باطنی، ناشکری اور احسان ناشناسی سے کوسوں دُور تھے ان کا چہرہ بشرہ اگرچہ سیاہ تھا مگر اُن کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف تھا جس میں لوگوں کو اپنے اعمال کے خدوخال نظر آتے تھے ان کی فطرت کا سب سے چمکدار جوہر اُن کا جذبہ طاعت و فرمانبرداری اور اپنے آقا کے ساتھ سچا خلوص و وفاداری تھا اور جس طرح اللہ تعالیٰ پہ ان کا ایمان نہایت قوی اور مستحکم تھا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو بے حد خلوص اور بے انتہا جذبہ فدائیت تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اُلفت کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے تھے، اور ان کے اتباع و پیروی کو خدا کی خوشنودی اور آخرت کا توشہ سمجھتے تھے وہ دنیا کی زندگی میں اور موت کے بعد عقبیٰ کی زندگی میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور آپ کی رضا کے سوا کسی شے کے طلبگار نہ تھے، جب ان کی موت کا وقت قریب آیا اور ان پہ نزع کی حالت طاری ہوگئی تو ان کی بیوی آہ و بکا کرنے لگیں اور " واحزنا " " ہائے کیسا غم ہے " کہہ کر چیخنے لگیں تو سکرات موت کے عالم میں ان کی زبان پہ یہ کلمات جاری ہوگئے۔

بل وافرحتاہ ا نلقی الاحبہ غداً نلقی الاحبہ، محمداً وصحبہ (نہیں بلکہ یہ تو خوشی کا مقام ہے کل کو میری اپنے دوستوں سے ملاقات ہوگی، کل تو اپنے پیاروں سے ملاقات کا دن ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے۔"

غرضکہ یہ تھا ان کی دنیاوی زندگی اور موت کا انداز، اس بھری پُری

Marfat.com

کائنات میں ان کا اگر کسی سے کوئی رابطہ یا تعلق تھا تو اوّل و آخر صرف اپنے ہادئ برحق اور اپنے آقا و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفادار اور اطاعت شعار بیوی عام طور پر اہم امور میں ان کی دلجوئی اور خوشنودی کو اپنا مقصد حیات سمجھتی تھیں لیکن کبھی کبھار بعض مواقع پر آپس میں تلخی اور جھگڑے کی نوبت بھی آجاتی تھی جیسا کہ بعض میاں بیوی یا عام انسانوں کے مابین معاشرتی امور میں ناخوش گوار حالات پیش آجاتے ہیں - بہرحال حضرت بلال رضی اللہ عنہ، گرم و سرد حالات میں بھی اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کر رہے تھے البتہ کسی ایسی اصولی و بنیادی بات میں جس سے ان کی زندگی کا براہِ راست اور گہرا تعلق ہوتا رخنہ پیدا ہوتا تو ان کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا تھا مثلاً رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے خلوص اور صدق روایت کے متعلق کسی طرف سے شبہ کا اظہار ان کے لیے سب سے بڑا اسوہانِ روح اور تکلیف دہ ہوتا تھا ایک روز ایک حدیث حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے سامنے بیان کی جس کو انہوں نے بڑا عجیب اور حیرت انگیز سا جانا اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت طیش میں آگئے، غیظ و غضب میں آکر ان کو پکڑ لینا چاہتے تھے اور جب غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے تو اپنا مکان چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے راستہ میں اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تیور اور غصہ سے بھرے ہوئے چہرہ کو دیکھ کر حالات کو پوری طرح سمجھ گئے آپ نے

Marfat.com

سمجھا بجھا کر اوّل تو ان کا غصہ ٹھنڈا کیا اور پھر شفقت و محبت سے ان کو دلاسا دیا اور بیوی کی طرف سے صدق روایت سے متعلق بدگمانی کو بھی نظر انداز کر دینے پر آمادہ کر لیا اور ان کو ساتھ لے کر آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور آپ نے ان کی بیوی مبارکہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، جو کچھ تم سے بلال رضؓ نے مجھ سے منسوب کر کے بیان کیا ہے وہ سچ ہے بلال کبھی جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔ تم بلال رضؓ پر غصہ نہ کیا کرو۔ یہ سن کر حضرت بلال رضؓ کو قرار آ گیا اور ان کا غصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مذکورہ کلمات سن کر بالکل رفع ہو گیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس صدق کا اثر صحابہ کرام پر بھی بہت ہوا ایک دفعہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہوئی چیز پر شک کر سکتے تھے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی کسی روایت کے نقل و بیان میں قطعاً شبہ نہیں کرتے تھے اور نماز اور روزہ کے بارہ میں تو خصوصیت سے ان کی روایتوں کا یقین کرتے تھے، عرب کے صحراؤں میں جہاں سورج غروب ہونے کے بعد بھی دن سا پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے ہی روشنی پھیلنی شروع ہو جاتی ہے بعض مسلمانوں کو سحر و افطار کے اوقات کے متعلق تردّد رہتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے ہم نے دیکھا ہے کہ فجر نمودار ہو چکی ہے کبھی کہتے تھے ہم نے سورج کو بلکتا غروب ہوتے نہیں دیکھا، لیکن جب وہ حضرت بلال رضؓ کو یہ کہتے ہوئے سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا

Marfat.com

لیا ہے یا رسول اللہ علیہ وسلم نے سحری کھانا ترک کر دی ہے، تو وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول کو جھٹلاتے نہ تھے اور ان میں سے کسی کے لیے بھی دن کی روشنی کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سچائی اور راست گوئی کی ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ وہ ہر اس کلام یا پیغام کو جو وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسلمانوں کو پہنچاتے تھے یا کوئی بھی خاص یا عام بات مسلمانوں کے معاملات کے بارہ میں کہتے تھے تو اس میں صداقت اور راستی کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے دینی بھائی ابورویحہ نے اُن سے اہل یمن کے ایک قبیلہ میں اپنی شادی کی سعی وسفارش کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ابورویحہ ہے جو خُلق و دین کے اعتبار سے بُرا آدمی ہے اگر تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو کر دو اور اگر اُس کو پسند نہیں کرتے ہو تو جانے دو ان لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبانی صاف اور دو ٹوک بات سُن کر کچھ نہ کہا اور خاموشی سے شادی کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بے لاگ طریقہ پر جو کچھ کہا اس میں نہ کوئی مبالغہ آرائی کی تھی اور نہ ہی ابورویحہ کی سفارش میں کسی ملمع سازی سے کام لیا تھا چنانچہ اسی صاف گوئی کی بدولت اہل یمن نے ابورویحہ سے اپنے قبیلہ کی لڑکی کی شادی کر دی۔

ابورویحہ کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی محبت اور دوستی کا یہ عالم تھا

Marfat.com

کہ جب وہ شام کی طرف کوچ کرنے لگے تو انہوں نے اپنا نام ابو رویحہ کے ساتھ درج رجسٹر کرایا اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے ناموں کے اندراج کا رجسٹر تیار کرایا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ کس کے ساتھ اپنا نام درج کرانا چاہتے ہیں تو انہوں نے ابو رویحہ کے ساتھ شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی اور کہا تھا اُس دینی اخوت کی وجہ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور ابو رویحہ کے درمیان قائم کر دی ہے۔ میں کبھی ان سے جُدا ہونا گوارا نہیں کروں گا"

اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے قربت و محبت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور اس کو اپنے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے رسول علیہ السلام کا فضل و انعام تصور کر کے دونوں ایک دُوسرے سے محبت کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور خاص حضرت بلال رضؓ کو نوازتے رہتے تھے اور ان کی دلجوئی کا خاص خیال رکھتے تھے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمانوں کے عظیم ہادی اور جلیل القدر رہنما تھے وہ جلیل القدر اور ہوش مند مسلمانوں کے فضائل و مناقب سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دیانت و امانت اور راستی و صداقت کے اوصاف سے بھی پوری طرح باخبر تھے اسی لیے آپ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا معتمد خاص بنایا، مسلمانوں کے مال پر ان کو امین مقرر کیا اور اپنے طعام و قیام اور خوراک وغیرہ کے اہتمام و انتظام کا کام بھی ان کے سپرد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہ صرف غزوات میں بلکہ سفر و حضر میں بھی ان کو اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور عید و استسقاء کے موقعوں پر تو نیزہ برداری کا منصب بھی ان کے ہی حوالہ تھا جس کو لے کر وہ ایسے تمام اہم موقعوں پر حضورؐ کے آگے آگے چلتے تھے صحابہ کرام میں سے کسی دیگر شخص کو یہ شرف حاصل نہ تھا جو موذن رسول علیہ السلام کو حاصل تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر حضور کی قصویٰ نامی اونٹنی پر بیٹھ کر جس کو کوئی دوسرا شخص استعمال نہیں کر سکتا تھا سفر کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام و طعام کے لیے بطور ہراول پیشقدمی کرنا پڑتی تھی فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن تین بزرگوں کو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا ان میں پہلے شخص عثمان بن طلحہ حامل کلید کعبہ تھے دوسرے اسامہ بن زید اور تیسرے خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رفاقت و معیت حضورؐ کی تکفین و تدفین تک قائم رہی اور یہ حضرت بلال رضؓ ہی تھے جو اس آخری وقت میں بھی اپنے زخمی اور درد بھرے دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناقب و فضائل پُردرد طریقہ پر ذکر کرتے ہوئے اور ہاتھ میں پانی کا مشکیزہ لیے آپ کی مقدس قبر اور

Marfat.com

اس کے چاروں طرف گھوم گھوم کر پانی چھڑکتے جارہے تھے۔

اپنے آقا و مولیٰ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قدر دلسوزی و رقت رکھنے والے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں اپنی رائے پہ اصرار کی کیفیت بھی بڑے شد و مد سے پائی جاتی تھی اور اس کی وجہ عقیدہ توحید اور اسلامی فضائل اخلاق پہ ان کا غیر متزلزل ایمان اور رذائل سے نفرت تھی۔ اور لبسا اوقات اس شدید اصرار میں اُس عناد اور ضد کی رمق بھی پائی جاتی تھی جو حبشہ کے مولدین اور اصل حبشی النسل لوگوں میں ہمیشہ سے پائی جاتی تھی البتہ ان کے عناد کی اس خصلت میں دو جہتیں بھی پائی جاتی تھیں جس میں ایک جہت یا پہلو قابل تعریف اور مفید تھا اور دوسری جہت یا پہلو قابل مذمت اور مضر تھا عناد کا ایک پہلو صواب و راستی اور عقیدہ پہ ثبات و استقلال کا ہے اور دوسرا پہلو خطا اور خواہش نفس پہ جمے رہنے کا ہے لیکن ہمیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تاریخی عناد میں دونوں پہلوؤں کے خوبصورت جلوے اور حسین ترین امتزاج ملتا ہے اور ان دونوں میں اسیروں کی سی قوت برداشت اور امینوں کے سے اخلاقی فضائل کی سی جھلک نظر آتی ہے مشرکین کے لیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عناد پہ اصرار ان ہولناک مظالم اور دردناک عذاب کے باعث تھا جو مشرکین ان کو دین جدید سے بیزار و برگشتہ کرنے اور خود ان کے باپ کو ان کی زبان سے گالیاں دلوانے کے لیے اُن پہ روا رکھتے تھے جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں ان کے اسلام لانے کے سلسلہ میں کر چکے ہیں ان کی اس طبعی خصلت کا

Marfat.com

نتیجہ ترک اذان کی صورت میں ظاہر ہوا جب کہ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا اذان دینا شرط وفاداری اور استواری عہد کے خلاف ہے اسی لیے وہ بسا اوقات مدینہ چھوڑ کر سفر جہاد پر جانے کے لیے اصرار کرتے تھے چنانچہ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے مدینہ سے شام کی طرف کوچ کر جانے کی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تھی اور ایک مشہور روایت کے مطابق ان الفاظ میں اپنا پُرزور مطالبہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

"اگر آپ نے مجھے اپنے نفس کے لیے آزاد کرایا ہے تو بیشک مجھے روک لیجیے اور اگر آپ نے اللہ عزوجل کے لیے مجھے آزاد کرایا ہے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں اللہ عزوجل کی طرف چلا جاؤں" چنانچہ اپنی مرضی کے علاوہ کسی اور طرف جانے سے انہوں نے انکار کر دیا اس میں شبہ نہیں کہ ایک ایسے آدمی سے دشمنوں کے ساتھ رحم و مروت کی توقع رکھنا بالکل فضول ہے جو نہ صرف خود بلکہ اس کے آبا و اجداد اور ہم جنس ہمیشہ لئیموں اور ظالموں کا شکار رہے ہوں لیکن اگر ایسے مظلوم شخص کے خلق و مروت کے مستحق ایسے لوگ ہوں جنہوں نے مصیبت کے وقت اس کے ساتھ احسان اور ہمدردی کی ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے البتہ تعجب اور حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب میدان کارزار میں رحم کا مظاہرہ کیا جائے یا اس شخص کے ساتھ

Marfat.com

نہایت اچھا سلوک کیا جائے جس نے بدسلوکی میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو اس لیے ہمیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بابت اس روایت میں قطعاً کوئی غرابت محسوس نہیں ہوتی جو قسی القلب اور ظالم مشرکین کے ساتھ بدر اور خیبر کے معرکوں کے بعد ان سے منسوب ہیں چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے قلعہ حموص کو فتح کیا تو آپ کے سامنے قلعہ کے حاکم کی بیٹی صفیہ اور ان کی ایک اور کمسن رشتہ دار کو حاضر کیا گیا، آپ نے ان دونوں کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگرانی میں اپنے جائے قیام پر بھیج دیا جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان دونوں کو لے کر خیبر کے مقتولین کے پاس سے گزرے تو چھوٹی لڑکی اس منظر کو دیکھ کر بے تحاشا چیخ پڑی اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کے تھپڑ کھینچ مارا اور جب حضور کو خود انہوں نے اس واقعہ سے مطلع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے فرمایا "اے بلال جب تم اس کمسن بچی کو لے کر لاشوں کے قریب سے گزرے تو کیا تمہارے دل سے جذبہ رحم بالکل ہی نکل گیا تھا" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں جو عذر پیش کیا وہ یہ تھا "یا رسول اللہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ آپ اس کو اتنا بُرا سمجھیں گے میں تو سمجھتا تھا کہ آپ ان کی لاشوں کو پڑا ہوا دیکھ کر خوش ہوں گے" لیکن واقعہ بدر کے متعلق ان کا عذر زیادہ واضح تھا اور واقعہ خیبر سے بھی زیادہ وزنی اور پُراثر تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو

Marfat.com

واقعہ بدر کے بعد حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ساتھ جوان کو قیدیوں کی طرح اپنے ساتھ لے جا رہے تھے دیکھا یہ دونوں باپ بیٹے کمزور مسلمانوں کو ستانے اور ایذ ائیں دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تو ان کے مظالم کا سب سے زیادہ نشانہ بننا پڑا تھا چنانچہ جب ان کی نظر اُمیہ بن خلف پر پڑی تو آس پاس کھڑے ہوئے مسلمانوں کو سُناتے ہوئے انہوں نے چیخ کر کہا۔ اُمیہ کفر کا سرچشمہ ہے اگر وہ چھوٹ بھی گیا تو بھی بچ نہیں سکے گا غرضکہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی حمایت و مدافعت اس کے کچھ کام نہ آئی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے قتل کے درپے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے اگر چھوٹ گیا تو بھی بچ کر نہیں جائے گا یہاں تک کہ ان کے گرد ایک مجمع لگ گیا اتنے میں کسی شخص نے اُمیہ کے بیٹے پر ایک شدید ضرب کا وار کیا جس سے وہ پچھاڑ کھا کر زمین پر گر پڑا اس منظر کو دیکھ کر اُمیہ نے سخت خوفزدہ ہو کر زبردست چیخ ماری عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بولے " امیہ اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ ورنہ بچ نہیں پاؤ گے۔ قسم خدا کی میں بھی تمہیں بچا نہ سکوں گا۔ لیکن قبل اس کے کہ اسے وہاں سے فرار ہونے کا موقع ملے مقاتلین باپ بیٹے دونوں پر تلواریں سونت کر ٹوٹ پڑے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اُمیہ بن خلف سے انتقام لینے کی بظاہر ایک معقول وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ یہ شخص جہاں اپنے خبث باطنی اور شرپسندی کے باعث سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کے انتقام اور بے رحمانہ

Marfat.com

سلوک کا مستحق تھا وہیں کمزور اور بے سہارا مسلمانوں پر بُزدل ظالموں کی طرح ظلم وستم کے نت نئے طریقے اور ڈھنگ بھی ایجاد کیا کرتا تھا اور غیور و بہادر دشمن کی طرح کبھی کھُل کر سامنے سے وار نہیں کرتا تھا بلکہ مکار اور دھوکا باز نامردوں کی طرح بے بس مسلمانوں کو ستانے اور ان پر مشقِ ستم کرنے کے نئے طریقے ڈھونڈتا تھا یہ شخص بُزدل ہونے کے باعث جدال و قتال سے بہت ڈرتا بھی تھا اور اپنی زندگی کو بہادر مشرکوں کی طرح کبھی جنگ کے خطرات میں نہیں ڈالتا تھا ایک دن اس نے کسی سے سُن لیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے یہ سُن کر اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے چنانچہ اپنی قتل گاہ کی نشاندہی کے بارہ میں وہ خوف وہراس کی حالت میں لوگوں سے پوچھتا پھرتا تھا اور وہ اپنی قوم سے علانیہ طور پر جنگ سے باز رہنے کی درخواست کرتا تھا اور اپنی موت کے خوف سے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے کبھی جنگ پر آمادہ نہیں ہوتا تھا چنانچہ جب اس نے جنگ کے خوف سے گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا تو ابوجہل اس کے پاس کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا اور ایک انگیٹھی ہاتھ میں لے کر اُمیہ کو دُھنی دینے کے لیے آگے بڑھا اور کہنے لگا یہ لے اپنے آپ کو دُھنی دے لے کیونکہ تو ایک عورت ہے جب بدر کے میدان میں معرکہ کارزار گرم ہوا تو اُمیہ بن خلف اور اس کا بیٹا میدان جنگ سے بھاگنے اور فرار ہونے والوں میں پیش پیش تھے اس کے بعد جب اس کا بیٹا قتل

Marfat.com

ہوا تو اُمیہ بن خلف نے سخت دہشت زدہ ہو کر چیخ ماری ۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمیہ بن خلف ہمیشہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا کمزور اور بے بس مسلمانوں کے خلاف ذلیل اور غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کرتا تھا اور اس کی بنیاد عقیدہ کا کوئی جھگڑا نہ تھا جس کے لیے بہادر شخص لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کے لیے وہ خود اور اس کی اولاد عزت کی موت کو خوش آمدید کہتے ہیں ظاہر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے ان سے بہتر اور خوش آئند ساعتیں اور کیا ہو سکتی تھیں اور ان کی عذر خواہی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُمیہ بن خلف کو قتل کرنے کی وعید بھی بہت کافی تھی چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں مبارکباد دی ۔

" مبارک ہو خدائے رحمان تمہارے خیر میں اضافہ کرے اے بلال رضؓ تم انتقام کی مراد کو پہنچ گئے ۔"

ہیجان اور طیش کے مواقع پر عام طور پر بڑے بڑے سنجیدہ اور بردبار لوگ بھی اپنے جذبات پر کم ہی قابو پاتے ہیں ایسے ہی ایک موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی غیرت و حمیت میں جو شدت پیدا ہوئی وہ ان جیسے شخص کے لیے کوئی غیر فطری بات نہیں تھی ورنہ عام حالات میں وہ بڑے متحمل مزاج خلیق خوش طبع اور شریف النفس انسان تھے ایام غلامی میں جب کبھی لوگ اُن کے صبر و استقلال اور مردانہ وار مصائب

Marfat.com

و آلام کو برداشت کرنے کی داستانیں ستائش کے انداز میں بیان کرتے تھے تو وہ اجل صحابہ کے سامنے لوگوں کی زبانی اپنی تعریف سُن کر محجوب و شرمندہ ہو جایا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے :-

بھائیو! میں تو ایک ایسا شخص ہوں جو کل تک غلام تھا اُن کی اس انکساری اور کسر نفسی میں لوگوں کو ان کی نفسی شرافت و محبت کی مہک محسوس ہوتی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ عرصہ دراز تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و مصاحبت میں رہے وہ سفر و حضر میں ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے اُن کے ذریعہ لوگوں کو جو روایات پہنچتی تھیں اُن کی صداقت کے باعث ان پہ وہ پورا وثوق رکھتے تھے پھر بھی وہ روایت حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے اسی لیے وہ احادیث نبویؐ کو لوگوں میں ذریعہ تعلیم بنانے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اقامت صلواۃ و اذان اور اوقات افطار و صوم کے علاوہ انہوں نے کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی میں دو ایسی خصلتیں پائی جاتی تھیں جو اُن کی ہم جنس قوم کے بعض قدیم و جدید افراد میں بالعموم پائی جاتی ہیں ایک فراست نظر دوسرے جب عیش و آرام یا جد بسیار کے باوجود عسرت و تنگی، ایک مرتبہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غیر مسلم شخص سحیمی کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ وہ مذکورہ شخص کے لڑکے کو مسلمانوں کی قید سے رہائی دلا دیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سایہ کی طرح ہر وقت ساتھ ساتھ

Marfat.com

لگے رہتے انہوں نے دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کی طرف راغب و مائل ہوتے نہیں دیکھا اور جب اس کا تذکرہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے "عرب بدوؤں کی یہی خصلت ہوتی ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ خیبر کے بعد جب وادی قریٰ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انھیں صبح کی نماز کے لیے بروقت جگا دیں۔ اس وقت چونکہ سخت گرمی تھی اس لیے آپ کی آنکھ لگ گئی یہاں تک سورج طلوع ہوگیا۔ آپ بیدار ہوئے اور جو جو آپ کے ہمراہ تھے ان کے ساتھ نماز ادا کی اس دن شدید گرمی کے باعث ایک شخص کی پیشانی سے پسینہ کی لڑیاں بہہ رہی تھیں جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا ہمارے نفوس اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں اگر وہ چاہتا تو قبض کر لیتا اور اسی کے قبضہ میں سب کچھ ہے اور پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہوئے اور انھیں بآواز بلند پکارا اور فرمایا بلال ذرا ٹھہرو صبر سے کام لو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب سمجھ گئے فرمانے لگے: "آپ پر میرے ماں باپ قربان میری جان بھی اسی کے قبضہ میں ہے جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے۔" اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری عمل جو حضرت خالد بن ولید رضؓ کے سلسلہ میں پیش آیا یہ تھا کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Marfat.com

کے عہد میں اُن تحائف وہدایا کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی جو شعراء کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کیا یہ چیزیں سرکاری خزانہ سے دی گئی تھیں یا خود اُن کی طرف سے شعراء کو عطا ہوئی تھیں اس سوال کا جواب چونکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دینا نہیں چاہتے تھے اس لیے خاموش رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی اس خاموشی کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی طرف جھپٹ پڑے اور اُن کا عمامہ اپنے ہاتھ میں لیا اس کو پھاڑا اور اس سے اُن کو باندھ دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی مزاحمت نہیں کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دریافت کرنا شروع کیا یہ سب کچھ تمہارے پیسوں کا خریدا ہوا تھا یا دوسرے ذرائع سے دیا گیا ہے اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نہیں بلکہ سب کچھ میرے پیسہ کا تھا۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اُن کی گلوخلاصی کی اور ان کے سر پر اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھی اور پھر فرمایا:

ہم تو اپنے حاکموں کا حکم سن کر اس کی تعمیل کرتے اور اُن کا حکم بجا لاتے ہیں اُن کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان کی خدمت بجا لاتے ہیں غرضکہ یہ ہے وہ آخری عمل جو عہد خلافت کے دوران احکام بجا لانے کے سلسلہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے منسوب اور مروی ہے غرضکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تمام اعمال و وظائف کا خلاصہ اگر

Marfat.com

ہم بیان کرنا چاہیں تو وہ جذبۂ اطاعت وتعظیم ہے۔ خلیفۃ الاسلام کے حکم کی بجا آوری میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا محاسبہ کرتے وقت جس اخلاقی جرأت و سُرعت کا مظاہرہ کیا اس سے زیادہ فرحت و راحت کا اظہار انھوں نے اُس وقت کیا جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ محاسبہ سے پاک اور بری قرار دیے گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے حاکم مطاع کی اطاعت و فرماں برداری صرف قابل اطاعت امر میں ہی کیا کرتے تھے اور یہ اطاعت بھی قوی اور شریف کی ہوتی تھی نہ کہ کمینہ و کمزور اور مجبور محض کی وہ اپنے ظالم آقا کے حکم کو اس وقت بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے، جب موت کی تلوار اُن کے سر پر لٹکتی رہتی تھی اور اُس وقت بھی وہ اپنے ضمیر کی اطاعت کو فرض کا درجہ دیتے تھے جب سرکش و ظالم اور گنہ گار لوگ اُن کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتے تھے اس لیے وہ صحیح معنیٰ میں مطیعوں اور فرماں برداروں کے سردار کہلانے کے قابل تھے حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو اس وقت تک دنیا میں عزت نہیں ملتی جب تک وہ سید الآمرین نہ ہو اور سید الآمرین ہونے کے لیے سید المطیعین ہونا اوّلین شرط ہے۔

---

Marfat.com

# اذان

دنیا کی دعوتوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل دعوت وہ ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لیے بُلایا جاتا ہے یہ ایسی دعوت ہے جو خود نماز کے مرکز و بطن سے پیدا ہوتی ہے اور اس وقت یہ دعوت اسرار و عجائبات میں لپٹی ہوئی غیبی آواز کے ساتھ فضا میں بلند ہوتی چلی جاتی ہے یہ دعوت زندۂ جاوید ہے جس کی آواز بازگشت اس عالم ناسوت میں ہر چہار طرف سے ہمارے کانوں میں رس گھولتی ہوئی آ رہی ہے اور ہمیں مخاطب کر رہی ہے گویا انسان اس دعوت کے بول کان میں پڑتے ہی نماز میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کو سُنتے ہی اس جہان آب و گل اور عالم اجساد سے نکل کر عالم غیب میں جا پہنچتا ہے اس دعوت سے آسمان اور زمین میں ملاپ ہوتا ہے اور اس دعوت میں مخلوق کا خشوع و خضوع خالق کی عظمت و کبریائی سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ دعوت ہر نماز کے وقت حقیقت ابدی بن کر انسانی قلوب پر جلوہ ریز ہوتی رہتی ہے۔ گویا کہ یہ کوئی نئی چیز ہے اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے

Marfat.com

بڑا ہے۔

یہ اذان کی دعوت کے ابتدائی بول ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کو خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے یعنی نماز پڑھنے کے لیے بُلایا جاتا ہے یہی وہ زندہ و پائندہ دعوت ہے جو دائمی اور ابدی حقیقت کا مظہر ہے اور یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے جو انتہائی بسیط ہونے کے ساتھ بے حد عجیب بھی ہے اس لیے کہ یہ حقیقت نہ صرف دُنیا کی تمام حقیقتوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے بلکہ دنیا کے مشاغل اور عوارضات فنا کے تکرار سے بھی بے انتہا غنی کر دینے والی ہے۔ مسلمان جب اذان کی آواز سُنتا ہے تو اس کی رغبت نماز کی طرف اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ اس کے دل میں عظمت و جبروت الٰہی کا نقش اور زیادہ تازہ ہوتی ہے جو تمام عبادات کا لب لباب اور خلاصہ ہے اذان سے رات کا سناٹا دُور ہو جاتا اور خاموشی ٹوٹ جاتی ہے، اس سے رُوح میں بالیدگی اور طبیعت میں جولانی پیدا ہوتی ہے تمام چرند پرند اور انسان و حیوان اس سرمدی آواز کے ساتھ ہوشیار و بیدار ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس سے نسیم سحری جنم لیتی ہے اور اسی سے پانی کی مدھم رفتار اور آہستہ خرامی کا آغاز بھی ہوتا ہے اور جب مؤذن صبح کی اذان کے بول الصّلوٰۃ خیرٌ من النوم۔ نماز نیند سے بہتر ہے، کہنا شروع کرتا ہے تو ساری دنیا اس آواز پر لبیک اور آمین کہنے کے لیے خواب راحت سے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے غرضیکہ چند لمحوں ہی میں زندگی کی چہل پہل از سرِ نو شروع ہو جاتی ہے

Marfat.com

اور ہر ذی رُوح میں حس و حرکت کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ
ہر شے زبان حال سے پکار اُٹھتی ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ سب کو خشوع و خضوع
اور تسبیح و صلوٰۃ کے لیے بیدار کر رہا ہے اور الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کے
ترانے سنوار رہا ہے اور جب صبح کی روشنی شب کی تاریکی کو الوداع کہتی ہے
اور شب دیجور کے اسرار ایک ایک کر کے رخصت ہو جاتے ہیں تو اذان
سحر کے اثر سے ہر چہار طرف سے صدائے بازگشت گونجتی سنائی دیتی ہے
گویا اذان ایک ترجمان کی حیثیت سے زندوں کو پکار پکار کر جگاتی ہے اور
فضائے آسمانی میں عظمت الٰہی کے ڈنکے بجاتی ہے جس طرح اذان کی
شکل میں حمد باری کے ترانے جہان شب کی خاموش فضاؤں میں گونجتے ہیں
دن کے پُر شور ہنگاموں میں بھی اس کی صدائیں وقفہ وقفہ سے کانوں میں
گونجتی رہتی ہیں جہاں شب کی اذان سے نفس کو راحت اور دل کو سکون
و طمانیت کی لازوال دولت نصیب ہوتی ہے دن کی اذان انسان کو سعی پیہم
اور مسلسل جد و جہد کا پیغام دیتی ہے اذان شب کے وقت اجسام انسانی
کو بیدار رکھتی اور دن رات ارواح کو ہوشیار رکھتی ہے، وہ دن کے
شور و ہنگامہ میں سکون و طمانیت کا پیغام لاتی ہے اور جب انسان دنیوی
مشاغل اور مادی خواہشات کی تکمیل میں اُلجھا ہوا ہوتا ہے تو اذان اسے
حیّ علی الصلوٰۃ - نماز کے لیے آؤ، حیّ علی الفلاح - فلاح کے لیے آؤ۔
کا مژدۂ جانفزا سناتی ہے، بیشک یہی فلاح حقیقی فلاح ہے کیونکہ
ایمان کی دولت کے بغیر ہر قسم کی فلاح سراسر خسارہ ہے جس طرح اذان

Marfat.com

اپنے وجود کے لیے کسی شے کی منت پذیر نہیں ہوتی اسی طرح اذان عقیدہ و ایمان اور اتباع سُنّت کے بغیر بھی ظہور پذیر نہیں ہوتی ہم ایام طفولیت میں بھی اگرچہ اذان سُنتے ہیں لیکن عہدِ طفولیت میں اس کے پورے مفہوم اور معنویت سے قطعاً ناآشنا رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم اذان کی پکار اور آواز میں اور اپنے چاروں طرف دنیا میں بلند ہونیوالے لہو و لعب شور و شغب اور بازاروں کے ہنگامہ پرور اور بے معنی چیخ و پکار میں تمیز ضرور کر لیتے ہیں ہم اذان سُنتے ہی اس کی گرفت میں آجاتے ہیں لیکن اس عمر میں ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہم کیوں اور کس لیے اس کی گرفت میں آ گئے ہیں بہرحال ہم یہ چاہتے ہیں کہ کاش ہم اس کی طرف سبقت کریں، اس کی طرف لپکیں اور اس پکار کا جواب دیں، ہمارے مفسرین ہمارے لیے امرالٰہی کی تشریح کرتے ہیں تو کلمۃ الامر اور کلمۃ اللہ کا مطلب بھی سمجھ لیتے ہیں لیکن بقیہ امور کے لیے حیرانی میں پڑ جاتے ہیں اور اس کو سمجھنے کے لیے ہمیں شعور کی پختگی تک زمانہ مستقبل پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور پھر زمانہ مستقبل کے بعد بھی برسہا برس گزر جاتے ہیں اور ہم ہنوز عہدِ طفولیت کی حیرانی سے یہ تسکین حاصل کر لیتے ہیں کہ ہم ہمیشہ اسی طرح حیرانی سے دوچار رہے ہیں اگرچہ اس حیرت کے نام بھی بار بار تبدیل ہوتے رہے ہیں اور ایک عنوان کے بعد اسے دوسرا عنوان بھی دیا جاتا رہا۔ بچپن کی سُنی ہوئی یہ صدائیں نفس

Marfat.com

میں مدت دراز سے متمکن رہتی ہیں اور انسان ہوش مند ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اس کی طرف دھیان دینے پر مجبور ہو جاتا ہے گویا وہ اب اذان کی سماعت کے مرحلہ سے گزر کر ایسے مرحلہ میں داخل ہو گیا ہے جہاں سے اذان کی حکمت و مصلحت کے چشمے پھوٹنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس کی روح کو ہر دم بے چین کیے رہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان اپنے بچپن کے لاشعوری دور سے آہستہ آہستہ نکل کر شعور ایمانی کے دور میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ لیکن غریب الدیار اور عقیدہ اسلام سے خارج لوگوں کا معاملہ قدرے اس سے مختلف ہے۔ اسلامی عبادات کے تمام دیگر شعائر عام طور پر غیر مسلموں کو اتنا زیادہ اپنی طرف نہیں کھینچتے اور اتنا متاثر نہیں کرتے جتنا کہ اذان کے بلند و بالا میناروں سے ترتیل کے ساتھ گونجتی ہوئی اذان کی ترنم ریز صدائیں ان کو متاثر کرتی ہیں۔ خواہ اس ترنم و ترتیل میں مؤذنوں میں کتنا ہی بُعد و فرق کیوں نہ ہو، ایڈورڈ ولیم لین اپنی کتاب "محدثین کے احوال و عادات" میں لکھتے ہیں "اور اُن کی آواز یقیناً بڑی مسحور کن ہوتی ہے خصوصاً رات کے سناٹے میں" اسی طرح جیرار دی نرفال اپنی کتاب "سیاحت مشرق" میں لکھتے ہیں "میں نے پہلی مرتبہ مؤذن کی ایسی پُر تاثیر اور مسحور کن آواز سنی ہے جس نے مجھے ایسا بے خود کر دیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں نے اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ یہ ندا لگانے والا شخص کیا کہتا ہے تو اس نے جواب دیا یہ کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر میں نے ترجمان سے پوچھا اس کے

Marfat.com

بعد کیا کہتا ہے تو اس نے کہا یہ سونے والوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے " اے سونے والو اس خدا پہ بھروسہ کرو جو سوتا نہیں ہے "

صوفی منش انشاء پرداز لافکا دیو ہیرن جس نے مؤذن اول کے نام سے حضرت بلال بن رباح کے بارہ میں ایک مختصر سا کتابچہ تحریر کیا ہے اور جس کا ترجمہ ہم اگلی فصل میں پیش کر رہے ہیں ۔ نے کہا ہے اور اپنے کتابچہ میں یوں تحریر کیا ہے کہ اس سیاح کا دل جو پہلی مرتبہ شہر کے مشرقی دیواروں کے درمیان اور مسجد کے مینار کے قریب ایک ہلکی سی نیند لیتا ہے اذان کی پر خشوع و پر عظمت ہیبت و جلال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیتی ہے ۔ اس میں کبھی شک نہیں کہ جب یہ سیاح اپنے مطالعہ کی تیاری شروع کرتا ہے تو اس مقدس دعوت یعنی اذان کا ہر بول اس کے قلب میں پیوست ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اور اس کی روح میں اترتا چلا جاتا ہے اور اذان کے یہ کلمات مؤذن کی ترنم ریز آواز کے ساتھ مل کر اس وقت خصوصیت سے عجیب سماں پیدا کرتے ہیں جب مصر یا شام میں صبح صادق کی نورانی کرنیں فضا میں چاروں طرف پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں مشرق کا یہ سیاح موذن کی اس مسحور کن آواز کو اگلے طلوع فجر سے قبل چار مرتبہ مزید سنتا ہے اس کے کانوں میں یہ آواز دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں بھی آتی ہے اور اس کے بعد وہ اسے سورج غروب ہونے سے قبل بھی سنتا ہے اور مغرب کے وقت بھی یہ سیاح اذان کی یہ آواز سنتا ہے جب کہ پورا مطلع قرمزی اور خالص سونے کے سنہری رنگوں کی

Marfat.com

طرح جگمگا رہا ہوتا ہے، اور جب یہ روشن اور خوب صورت رنگوں کی دُنیا یاقوتوں اور زمرد کے رنگوں میں ڈھل جاتی ہے اور پورا ماحول بجلی کے روشن قمقموں سے منور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سب سے آخر میں یہ مشرقی سیاح پھر اذان کے جانفزا کلمات سُنتا ہے جو اسرار و رموز میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور جب اس کیفیت کے بارہ میں اُس کے ترجمان نے اس سے جرار وی نرنال کے ریمارک کے بارہ میں سوال کیا تو سیاح نے جواب دیا بے شک ایسی تشریح اور تفسیر کا جواب نہیں جو ہمیں "اس ذات پہ بھروسہ کر جو کبھی نہیں سوتا" کے مختصر جملہ میں عمدہ اور اولی نصیحت کی شکل میں ملتی ہے اور ان آیات مقدسہ کی طرف ہمارا ذہن لے جاتی ہے جو مشرق کے شہروں میں بعض اہم مقامات اور مقبروں کے پتھروں پر کندہ نظر آتی ہیں ان میں سے ایک آیت لا تاخذہ سنۃ ولا نوم بھی ہے جس کا مطلب ہے "نہ خدا کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند" پس اگر ترجمان تاریخ اسلام سے واقف ہو تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ مؤذن دنیائے اسلام کا وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ ندا نماز کی دعوت دینے اور لوگوں کو خانہ خدا میں بلانے کے لیے لگائی تھی اور یہی وہ عظیم شخصیت تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرض کی بجا آوری کے لیے خصوصی طور پر مقرر کیا تھا۔ اس بزرگ ہستی کا نام بلال بن رباح تھا اور جیسا کہ ترجمان نے اشارہ سے سیاح کو بتایا ہے وہ اسی سرزمین شام میں دمشق کے قریب اپنی آخری آرام گاہ میں محو خواب ہے۔"

Marfat.com

ہمیں بلاشبہ اس کا پورا پورا اندازہ ہے کہ ایسے بہت سے سیاح مرد
اور عورتوں کے دل و دماغ پر اذان کا بڑا زبردست اثر ہوتا ہے جو جاڑوں
کے موسم میں خصوصیت سے ہمارے شہر اسوان میں آتے ہیں یا سوڈان
کو آتے جاتے اسوان کے قریب سے گزرتے ہیں یہ سیاح بالعموم اسوان
جاتے ہیں تو اذان کی آواز سنتے ہیں اور جب قاہرہ اور اسکندریہ پہنچتے
ہیں تو وہاں بھی ان کے کانوں میں اذان کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔
اس کے علاوہ اکثر اسلامی ملکوں میں ان کو اذان کی آوازیں سنائی دیتی
ہیں لیکن جدہ میں ان کے کانوں میں صبح و شام کے وقت اذان کی آوازیں
واقعتاً کچھ عجیب ہی سماں پیدا کر دیتی ہیں خصوصاً جمعہ کے ایام میں تو
خصوصیت سے یہ کیفیت دوچند ہو جاتی ہے اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہے
کہ شہر کی سب سے بڑی جامع مسجد کا مؤذن جو اپنی دلکش اور خوبصورت
آواز کے لیے بہت مشہور ہے، دینی حمیت اور فنی کمال یعنی تجوید قراءت
کا ماہر ہے۔ اس کی اذان سن کر ہم حلبیوں کو تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید
یہ سیاح جو مؤذن کی آواز کو پوری توجہ سے سنتے ہیں، اس اذان کو ہاتف
غیبی کی آواز سمجھ کر پورے دھیان اور توجہ سے سن رہے ہیں یا یوں سمجھیے
کہ وہ دور دراز صحرا کو عبور کر کے آنے والے اس پرندہ کا انتظار کر
رہے ہیں جو صرف مخصوص وقت میں شاذ و نادر ہی شہر کی طرف پرواز
کرتا ہے ان علاقوں میں مؤذنوں کا ایک طریقہ یہ بھی عرصہ سے چلا آرہا
ہے کہ وہ اخیر شب میں سحری کے وقت بڑے بڑے میناروں پر ڈھول

Marfat.com

اور نقارے بجاتے ہیں اس سے بعض میناروں کے قریب ہوٹلوں کے سیاحوں کو شکایت پیدا ہوئی انہیں حکام سے اس امر کی شکایات کے سلسلہ میں اس لیے اور بھی تردد ہوا کہ وہ اپنی دانست میں اس کو مسلمانوں کا دینی شعائر سمجھتے تھے لیکن جب اُن کو بتایا گیا کہ یہ کوئی دینی شعائر نہیں ہے بلکہ شہری لوگ اس کو اپنی عادت اور رسم و رواج کے طور پر کرتے ہیں۔ اس پر سیاحوں کے نمائندوں نے کہا ہمیں اذان کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہے وہ تو ہمارے لیے ایسی ہی خوش کُن ہے جیسی مسلمانوں کے لیے البتہ ہمیں ان ڈھول نقاروں سے اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے جو ہمارے سروں پر پیٹے جاتے ہیں لیکن اس کو بھی ہم یہ سمجھ کر گوارا و برداشت کر لیتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا ناقابل تبدیل شعار ہے لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہر مسلم ملک میں وہاں کے رسم و رواج اور عادات و حالات کے مطابق اس میں تبدیلی لائی جاتی ہے بعض بڑے شہروں میں بڑے ڈھولوں کی بجائے چھوٹے چھوٹے ڈھول دروازوں پر رکھ کر پیٹے جاتے ہیں اور اگر آپ مہربانی کر کے ہمیں اجازت دیں تو ہم شہریوں کو ایسے چھوٹے ڈھول بطور ہدیہ مہیا کر سکتے ہیں بہر حال ہر سائز کے یہ ڈھول اور نقارے ہر موسم میں سیاحوں کی خریداری کے لیے بازار میں فروخت ہوتے ہیں ان سے سوڈان میں درادیش کے عہد میں بڑا کام لیا جاتا رہا ہے مثلاً لشکر کو جمع کرنے غافلوں کو تنبیہ کرنے گانے بجانے یا کسی فیصلہ اور حکم وغیرہ کا اعلان کرنے کے متعدد کام بھی ان کے ذریعہ انجام دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ درادیش

Marfat.com

کے ملبوسات، اسلحہ، اور ان کی معیشت کے سازوسامان ہمیشہ شہر کے بازاروں میں سیاحوں کی دلچسپ گفتگو کا موضوع ہوتے ہیں۔ غرضیکہ یہ سیاح چھوٹے بڑے ڈھول خرید کر خوشی خوشی لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں کیونکہ ان کی تقسیم سے انہیں ایک طرف بڑے بڑے ڈھولوں کے شور کے عذاب سے نجات مل گئی اور دوسری طرف ان سے اذان کی مسحور کن آواز میں خلل بھی نہیں پڑتا ہے اور ان کی نیند بھی خراب نہیں ہوتی، ہو سکتا تھا کہ ڈھول کو ابتدائی طور پر مسلمانوں کو نماز کے لیے بلانے کے واسطے اذان کے قائم مقام دے دیا جاتا۔ کیونکہ اذان کے یہ بول جو آج ہم سنتے ہیں مکہ اور مدینہ میں اسلام پھیلنے سے قبل معروف و معلوم نہ تھے۔ پھر اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی اتنی کم تھی کہ انہیں آہستہ سے الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر بھی آسانی سے نماز کے لیے جمع کیا جا سکتا تھا لیکن جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ قرار پایا تو مسلمانوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے کوئی ایسا طریقہ سوچنے اور رائج کرنے کی فکر لاحق ہوئی جس کے ذریعہ مدینہ کے قرب و جوار میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو مطلع کیا جا سکے اس سلسلہ میں جتنی روایات طبقات ابن سعد میں اور دوسری کتابوں میں مذکور ہیں ان سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اذان کا طریقہ اختیار کرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منادی الصلوٰۃ جامعۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کی اطلاع دیتا تھا اور لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے چنانچہ اس معاملہ میں مذاکرے اور مشورے شروع

Marfat.com

ہوئے، بعض لوگوں نے بگل بجانے کا مشورہ دیا، بعض نے سنکھ بجانے کا مشورہ دیا، بعض لوگوں نے آگ کا الاؤ روشن کرنے کا طریقہ اپنانے کی رائے دی غرضکہ کئی بار اس موضوع پہ گفتگو ہوئی مگر کسی نتیجہ پہ پہنچے بغیر لوگ منتشر ہو گئے، ان میشروں میں عبداللہ بن زید الخزرجی بھی شامل تھے ایک روز رات کو جب وہ اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور انہوں نے اُن سے کھانا کھانے کو کہا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا میں دیکھ رہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نماز کی بڑی اہمیت ہے یہ کہہ کر وہ سو گئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سامنے سے گزر رہا ہے اور اس کے شانہ پہ دو سبز کپڑے ہیں اور ہاتھ میں ایک سنکھ ہے انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اسے بیچنا چاہتے ہو اس نے جواب دیا تم اس کا کیا کرو گے؟ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو تو میں نماز باجماعت کے لیے اس کو بجا کر لوگوں کو جمع کر سکوں گا۔ اس پہ انہوں نے جواب دیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتائے دیتا ہوں۔

تم کہو، اللہ اکبر، اشہدان لاالٰہ الااللہ ، اشہدان محمداً رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالٰہ الاّ اللہ۔

اس شخص نے ہو بہو یہ الفاظ ادا کیے وہ مسجد کی چھت پہ کھڑا ہوا تھا پھر وہ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گیا اور پھر کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی۔ جب عبداللہ بن زید نیند سے بیدار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جو کچھ تم کو بتایا گیا ہے وہ تم فلاں کو بتاؤ، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی خواب سے ملتا جلتا اپنا خواب بھی بیان کیا چنانچہ اس دن سے نماز کے لیے مسلمانوں کو بلانے کے لیے اذان دینے کا وہ طریقہ رائج ہوا جو آج تک جاری ہے اس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیرٌ من النوم "نماز سونے سے بہتر ہے۔" کا اضافہ کیا جس کی توثیق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی البتہ الصلوٰۃ جامعۃ کا فقرہ مسلمانوں کو کسی حادثہ، دعوت یا کسی دیگر معاشرتی اجتماع کے لیے برقرار رکھا گیا۔

مسلمانوں کے مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان اذان کے صیغوں کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ شیعہ صاحبان حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح کے ساتھ حیّ علی خیر العمل کا اضافہ بھی کرتے ہیں اور مالکی حضرات چار تکبیروں کی بجائے دو تکبیریں کہتے ہیں اسی طرح خوش الحانی سے نماز پڑھنے یا ترجیع یعنی شہادتین کو پہلے آہستہ اور پھر بلند آواز سے پڑھنے اور آواز کو حلق میں گھماتے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس سے بعض کلمات کے مخارج اور ادائیگی میں خلل نہ پڑتا ہو۔ البتہ حنبلی حضرات اذان کو بغیر خوش الحانی کے پڑھنے کے قائل ہیں

Marfat.com

اور اسی طرح احناف بعض ترجیعات میں تصرف کے قائل ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسا اذان کا حق ادا کیا ہے نہ ان سے پہلے کسی نے یہ حق ادا کیا اور نہ ان کے بعد تاریخ اسلام میں کسی نے کما حقہ یہ حق ادا کیا اور یہ بہت بڑا شرف ہے جو حضرت بلال رض کو ملا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس مقدس مسجد کے پہلے موذن تھے جس کے پہلے امام خود محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تھے تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز تمام مسلمانوں کو بڑی محبوب دلکش اور پیاری معلوم ہوتی تھی اور جب ان کی خوبصورت دعوت اذان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پُر کیف نماز کے ساتھ ملا کر دیکھتے تھے تو اس سے بے حد متاثر ہوتے تھے اور اس سے ان کے دلوں میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کے سحر اور تاثیر میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا لیکن اس کے باوجود فتح مکہ کی خبروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ کچھ مشرکین حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کو بہت برا سمجھتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے اور کہتے تھے کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس غلام کے سوا اور کوئی شخص نہیں ملا جو خانہ کعبہ کی چھت پہ کھڑا ہو کر (نعوذ باللہ) گدھے کی طرح رینکتا ہے، یہ لوگ ویسے بھی کسی شخص کو خانہ کعبہ پر چڑھے ہوئے دیکھ کر بہت ناک بھوں چڑھاتے تھے جس پہ عہدِ جاہلیت میں کبھی کوئی نہیں چڑھتا تھا چنانچہ جب وہ ایک غلام کو خانۂ کعبہ کی چھت پہ کھڑے ہوئے دیکھتے تھے اور انکی زوردار اذان کی آواز سنتے تھے تو انہیں بڑا خوف اور گھبراہٹ پیدا ہوتی تھی چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں نے حارث بن ہشام سے کہا تم دیکھ رہے

Marfat.com

ہو۔ آج یہ غلام اُوپر چڑھا ہوا ہے"۔ انہوں نے حکمت عملی سے اس کو ٹال دیا "ارے بھائی جانے بھی دو اگر خدا اس کو پسند نہیں کرے گا تو وہ اس کو بدل دے گا۔ اسی طرح ایک بار جب حارث بن ہشام ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ پہ چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا تو عتاب نے کہا "اللہ اسید کی عزت بڑھائے اور ایسی بات سُننے سے اس کو محفوظ رکھے جو اس کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دے"۔ اس کے بعد حارث بن ہشام نے کہا "قسم ہے اللہ کی اگر مجھے علم ہو جائے کہ یہ شخص بر حق ہے تو میں ضرور اس کی پیروی کروں گا لیکن ابوسفیان نے جو کچھ سُنا اس کو بہت بُرا سمجھا اور جیسا کہ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ کچھ عجب اُلجھے ہوئے طریقہ پہ بولا اور کہنے لگا:

"میں تو کچھ نہیں بولوں گا اگر کچھ بولوں گا تو کنکریاں بھی سب کو اس کی خبر کر دیں گی" اگر ہم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے سوء ظن کی کوئی بھی تاویل کریں تو بھی اس بات میں کوئی شُبہ نہیں کہ یہ وصف تمام مشرکین میں ایسا مشترک تھا کہ ان کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ وہ خانہ کعبہ میں پہلی اذان خواہ فرشتہ کی زبان سے ہی کیوں نہ سُنتے ہوں اور پرندوں کی مترنم آواز میں اس کے بول ان کے کانوں میں کیوں نہ پڑتے ہوں، اس سے اُن کو کبھی بھی راحت اور خوشی محسوس نہیں ہو سکتی تھی اور یہ آواز بھی ان کو اسی طرح بُری لگتی جیسی اُن کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کی زبان سے بُری معلوم ہوئی اور جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز کو ایک مکروہ جانور کی مکروہ آواز سے تشبیہ دی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اوّل تو ایک غلام ہونے کی حیثیت سے بھی مکہ کے سرداروں میں پہلے ہی مطعون تھے، دُوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں کوئی مُشرک سردار بھی اُن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اب جب کہ ہم مسلمانوں کے لیے مؤذن اوّل کی مسحور کن آواز اور اس کے خوش کُن صوتی اثرات نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے فارغ ہو گئے، اور مشرکین کی اس نفرت و کراہت کا ناخوشگوار ذکر بھی ہمیں بادل نخواستہ کرنا پڑا جو ان کو مؤذن اوّل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے تھا تو اب صرف ایک امر ایسا باقی رہ جاتا ہے۔ جس پر کم از کم دونوں متفق ہیں اور وہ ان کی بلند و خوب صورت آواز ہے جو فضائے بسیط کو چیرتی ہوئی آسمان کی انتہائی بلندیوں تک پہنچتی تھی اور جس سے مشرکین کے دل پر خواہ کیسی ہی کیفیت گزرتی ہو لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کے لیے دن میں پانچ مرتبہ اس آواز میں ہاتف غیبی کی صدا اور ایمان و یقین کے رُوح پرور ترانے سُنائی دیتے تھے۔

---

Marfat.com

Marfat.com

# حصّہ دوم

○

## حضرت بلالؓ بن رباح ؓ

Marfat.com

Marfat.com

# مؤذن اوّل

خلفاء راشدین، عظیم مسلم رہنماؤں، مفکروں اور صحابہ کرام میں سے جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اعلیٰ عہدوں اور ذمہ دار منصبوں پر فائز رہے ان کے بارہ میں تاریخ اسلام کے حوالہ سے جو کتابیں یورپین زبانوں میں شائع ہوئی ہیں ان کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ایسے صحابہ کے متعلق کم ہی کتابیں لکھی گئی ہیں جو نہ کہیں حاکم رہے اور نہ کبھی سیاست میں انہوں نے کوئی قابل ذکر حصّہ لیا۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ، جن کے بارہ میں بہت کم کتابیں انگریزی زبان میں لکھی گئی ہیں البتہ ان کے متعلق لانکا دیو ہیرن نے ایک مختصر کتابچہ تحریر کیا ہے جو ایک زمانہ میں صحافی کے طور پر امریکہ میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد اُنھوں نے جزائر غرب الہند میں جو فرانس کے ماتحت تھا کچھ وقت گذارا اور اس کے بعد یہ آنجہانی ادیب مشرقی ملکوں میں بطور سیّاح گھومتے پھرتے رہے اور پھر آخر میں جاپان میں مقیم ہو گئے جہاں اُنھوں نے ایک جاپانی عورت سے شادی کی اور وہیں ۱۹۰۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس دوران میں خواہ وہ بلاد عرب میں گھومتے رہے ہوں یا جاپان یا چین میں سیر کرتے رہے ہوں ان میں مشرقی روایات سے

Marfat.com

دلچسپی اور وہاں کے روحانی اثرات سے کم وبیش اثر قبول کرنے کی علامات پائی گئی ہیں - اس میں شک نہیں کہ انگریزی سے عربی میں اُس فصل کا ترجمہ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس سے اگر ایک طرف ایک مستشرق کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے تو دُوسری طرف اس سے انسانی لُطف و مروت شعری وادبی فکاہات نیز اُن احساسات و تاثرات کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو اسلامی اذان کے متعلق ہیرن جیسے مفکر اور ادیب کے ذہن میں پیدا ہو کر اُن کے اس کرب و اضطراب کا رُوحانی علاج کرتے ہیں جس کا مادہ پرست امریکہ اور یورپ کے رہنے والوں کو آج بالعموم سامنا ہے لانکاڈلو ہیرن نے مؤذنِ اوّل کے متعلق جو ایک باب تحریر کیا ہے اس کے دیباچہ کو اس نے اڈون آرنلڈ کے اُن اشعار سے مزین کیا ہے جو اس نے خدائے تعالیٰ کی ذات کبریائی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے " اسے خداوند قدوس اگر آج زمین پر بسنے والے تیرے تمام زاہدوں و عابدوں کو فنا کا ایک جھونکا دفعتہً صفحہ ہستی سے مٹا دے اور ہر مؤذن جس کی تکبیر کی بلند آواز سے آسمان کی پُرسکون فضا میں غلغلہ پیدا ہو جاتا ہے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے تب بھی یہ دُنیا تیرے وجود والا صفات کی آیات و علامات سے خالی نہ رہے گی اور ہاں یہ دُنیا اگرچہ اپنی تمام علامات و آیات بیّنات کے فنا بھی ہو جائے تب بھی تیری عظمت و کبریائی کے چراغ ہمیشہ یوں ہی روشن رہیں گے اس لیے کہ یہ چمکیلا سورج یہ روشن

Marfat.com

چاند اور جگمگاتے ستارے جو ہر روز شب کی تاریکی میں اجالا کرتے ہوئے واپس آجاتے ہیں ایسے درویش اور زاہد شب زندہ دار ہیں جو تیرے مقدس و پاکیزہ عرش کے گرد اگرد گھوم گھوم کر تیرے ذکر کی تسبیح پڑھتے ہیں" اس کے بعد ہیرن نے کہا ہے کہ اس سیاح کا دل جو پہلی مرتبہ شہر کی مشرقی دیواروں کے درمیان اور مسجد کے مینار کے قریب ہلکی سی ایک نیند لیتا ہے اور ان کی اس پُرخشوع اور عظمت بھرے جلال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب یہ سیاح اپنے مطالعہ کی تیاری شروع کرتا ہے تو اس مقدس دعوت یعنی اذان کے یہ کلمات مؤذن کی ترنم خیز آواز کے ساتھ مل کر اُس وقت خصوصیت سے عجب سماں پیدا کرتے ہیں جب مصر یا شام کی فضاؤں میں صبح صادق کی نورانی کرنیں فضا میں چاروں طرف پھیلنا شروع ہو جاتی ہیں مشرق کا یہ سیاح مؤذن کی اس مسحور کن آواز کو اگلے دن طلوع فجر سے قبل چار مرتبہ مزید سُنتا ہے اس کے کانوں میں یہ آواز دوپہر کی چلچلاتی دھوپ اور تیز گرمی میں بھی آتی ہے اس کے بعد وہ اذان کی آواز سورج کے غروب ہونے سے قبل بھی سُنتا ہے اور مغرب کے وقت جب پورا مطلع قرمزی اور خالص سونے کے سنہرے رنگوں سے جگمگا رہا ہوتا ہے اور یہ روشن اور چمکدار رنگوں کی دنیا ہلکی ہو کر مالٹوں اور زمرد کے رنگوں میں ڈھل جاتی ہے تو پھر اس کے کانوں میں اذان کی آوازیں آنا شروع

Marfat.com

ہو جاتی ہیں اور پھر آخر میں سیاح اس وقت یہ آواز یں سُنتا ہے جب بجلی کے قمقموں سے پورا ماحول منور اور روشن ہو جاتا ہے اور مسجد کے بنفشی گنبد بقعۂ نور بن جاتے ہیں اور سب سے آخر میں مشرق کا یہ سیاح ایسے ترنم ریز کلمات سُنتا ہے جو اسرار رموز میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور کانوں کو نہایت انوکھے اور عجیب معلوم ہوتے ہیں اور جب اس کیفیت کے بارہ میں اس کے ترجمان نے اس سے پوچھا تو جیسا کہ جرار دی نرنال نے کہا تھا اس نے بھی جواب میں کہا " بے شک ایسی تفسیر و تشریح کا جواب نہیں" یا من ...... الخ "یعنی اے شخص اس ذات پہ بھروسہ کر جو کبھی نہیں سوتا " اس مختصر سے جملہ میں ہمیں اعلیٰ ہدایت اور عمدہ تعبیر ملتی ہے جو ان مقدس آیات کی طرف ہمارا ذہن لے جاتی ہے جو مشرق کے شہروں میں بعض اہم مقامات اور مقبروں کی لوحوں پہ ہمیں کندہ نظر آتی ہیں انہی میں ایک آیت لا تاخذہٗ سنۃٌ ولا نوم " ہے جس کا مطلب ہے " نہ خدا کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند " پس اگر ترجمان تاریخ اسلام سے واقف ہو تو اس کو معلوم ہو گا کہ مؤذن اوّل دنیائے اسلام کا وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ ندا، نماز کی دعوت دینے اور لوگوں کو خانہ خدا میں بُلانے کے لیے لگائی تھی اور یہی وہ عظیم شخصیت تھی جسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم فرض کی بجا آوری کے لیے خصوصی طور پہ مقرر کیا تھا اس بزرگ ہستی کا نام بلال بن رباح تھا اور جیسا کہ ترجمان نے سیاح کو اشارہ سے بتایا ہے ۔ آج اسی سرزمین شام

Marfat.com

ہیں دمشق کے قریب اپنی آخری آرام گاہ میں ابدی نیند سو رہا ہے، حضرت
بلال رضی اللہ عنہ افریقہ کے رہنے والے حبشی النسل سیاہ فام شخص تھے
ان کی قوت ایمانی ضرب المثل تھی وہ دین اسلام کو اختیار کرنے اور اس پر
پختہ یقین میں مشہور تھے وہ دعوت نبوی ؐ کے بڑے پر جوش مبلغ تھے
ان کی آواز تلحین، و ترجیع اور نغماتی حسن کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ ان کی اذان کے
انداز اور آواز کے زیر و بم کو دُنیائے اسلام کے مؤذن چودہ سو سال
سے آج تک اپناتے چلے آرہے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے
قبل اس کے کہ ان کے ذہن میں کسی منارۂ اذان کا خاکہ اُبھرے یا
ان کی قوم اس لیے نابینا مؤذنوں کا انتخاب کرے تاکہ وہ مینار کے
اُوپر سے مدینہ کی نیچی عمارتوں کی چھتوں پر نامحرمانہ نگاہ نہ ڈال سکیں،
یوں ہی اذان دینے کو ترجیح دی اور اب تو مسلمانوں کی مسجدوں کے
مینار بلندی میں آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں اور اسلامی ممالک
میں بے شمار نظر آتے ہیں حتیٰ کہ صحرا کے نخلستان بھی ایسے بلند و بالا
اور خوبصورت میناروں سے خالی نہیں ہیں اور کہیں کہیں تو بعض منارۂ
اذان پر بڑا اساہاتھ بھی کچھ اس طرح کا بنا ہوا نظر آتا ہے جس کو دیکھنے
سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید مینارہ وجد میں جھوم رہا ہے مثلاً
اوجلہ کا وہ منارۂ اذان جس کو فکتور لارگاؤ نے ۱۸۷۷ء میں دیکھا
تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانان عالم خواہ صحرا میں مقبروں پر گنبد
بنائیں ان پر پتھروں کی لوحیں نصب کریں یا اس مسجد کے بلند و شاندار

Marfat.com

مینار تعمیر کریں جو آگرہ میں تاج محل جیسے خوب صورت شاہکار اور حسین مقبرہ کے نزدیک بنی ہوئی ہے، ایک ہی طرح کے وہ بنیادی کلمات سب مقامات میں دہراتے ہیں جو کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے سُنا کرتے تھے مؤذن کے تقرر و انتخاب کے وقت ان شرائط کا ہمیشہ لحاظ رکھا جاتا ہے جو اذان کی صحیح ادائیگی کے لیے ضروری ہیں مثلاً یہ کہ مؤذن کے لیے ضروری ہے کہ وہ حافظ قرآن ہو خوش اخلاق و خوش اطوار ہونے کے ساتھ اچھی شہرت بھی رکھتا ہو اور ہر عیب سے پاک ہو اس کی آواز صاف واضح اور بلند ہو اس کا لب ولہجہ فصیح ہو اور وہ الفاظ کے حروف صحیح مخارج سے ادا کرتا ہو۔ لیکن خوبصورت آواز کی جو شرط آغاز اسلام سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے چلی آرہی تھی۔ اب حالات کے لحاظ سے اس میں تھوڑی سی نرمی اختیار کرنا پڑتی ہے فارسی کے مشہور شاعر شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب بستان الورد میں مؤذنوں اور قاریوں کے انتخاب کے سلسلہ میں اپنے بہت سے ہم عصروں کی نادر آراء حکایات جمع کر دی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مؤذن شہر سنجار میں صحیح اور دُرست اذان دیا کرتا تھا لیکن سُننے والوں کے لیے اس کی آواز مکروہ اور سخت ناپسندیدہ تھی لیکن صاحب مسجد ایک ایسا عادل اور انصاف پسند امیر تھا جو کبھی کسی شخص کے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کرتا تھا اسے یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ اس کی طرف سے مسکین مؤذن کے دل کو ذرا سی بھی کوئی تکلیف پہنچے چنانچہ جب لوگوں نے

Marfat.com

اس کی کہ یہ آواز کی امیر سے شکایت کی تو امیر نے بڑے اچھے اور پیارے انداز سے مخاطب کرتے ہوئے کہا اے میرے آقا آپ سے پہلے اس مسجد میں دو مؤذن مقرر تھے جن کو پانچ دینار دیے جاتے تھے کیا آپ دس دینار لے کر اذان کی ڈیوٹی ان کے حوالہ کرنے کو تیار ہیں، اس شخص نے امیر کی اس فیاضانہ پیشکش کو بخوشی منظور کر لیا اور شہر چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے جہاں تقدیر انہیں لے گئی۔ مگر کچھ ہی دن گزرنے پائے تھے کہ وہ شخص اس امیر کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا اے میرے آقا آپ نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا کہ آپ نے دس دینار کا لالچ دے کر مجھ سے یہ مسجد چھڑوالی۔ جن لوگوں کے پاس میں گیا تھا انہوں نے مجھے بیس دینار اس شرط پر دینے کو کہے ہیں کہ میں ان کے پاس سے چلا جاؤں، یہ سن کر امیر ہنس پڑا اور کہنے لگا وہ تم سے دھوکہ نہیں کر رہے ہیں میرا خیال ہے اگر تم وہاں رہنے پر اصرار کرو تو وہ تمہیں پچاس دینار یا اس سے بھی زیادہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے مذکورہ بالا کتاب میں اسی قسم کا ایک اور لطیفہ موجود ہے اور اس بات کا یقین اس لیے بھی آتا ہے کہ قرآن پاک کو پڑھنے کا جو معروف روایتی عربی اسلوب ہے وہ تمام دینی و مذہبی تلاوتوں کے معروف اسلوبوں سے نہ صرف بالکل جدا بلکہ ان سب سے اعلیٰ و ارفع بھی ہے مذکورہ بالا لطیفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک حافظ صاحب قرآن پاک کی آیات تو نہایت عمدہ تجوید و قراءت کے ساتھ پڑھتے تھے مگر ان کی آواز بہت خراب تھی۔ ایک روز ایک

Marfat.com

دین دار آدمی جب اُن کے قریب سے قرآن پاک سُنتا ہوا گزرا تو اُس نے حافظ صاحب سے دریافت کیا، آپ اس قرآن کے پڑھنے کا کیا معاوضہ لیتے ہیں ؟ حافظ صاحب نے کہا کچھ بھی نہیں اس پر وہ شخص بولا تو پھر اتنی مشقت کس لیے اُٹھاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا اللہ کی محبت کے لیے - اس پر اس دانا آدمی نے کہا تو بس اللہ کی محبت کی خاطر اب مت پڑھنا - اللہ آپ پر رحم کرے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا آغاز بحیثیت غلام کے کیا اس لیے کہ وہ حبشی کنیز کے بیٹے تھے وہ اپنے بچپن میں شوخ و شریر بالکل نہ تھے سر ولیم میور نے ان کے بارہ میں لکھا ہے کہ "وہ سیاہ فام شخص تھے ان کے جسم پر کثرت سے بال تھے ان کے خدوخال حبشیوں کے سے تھے وہ دراز اور کشیدہ قامت تھے اور خوش منظر نہ ہونے کے باوجود گٹھے ہوئے جسم کے مضبوط اور توانا شخص تھے مکہ کے غلاموں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا بہت جلد اور گہرا اثر قبول کیا اس لیے کہ یہ غریب لوگ ایسے لوگوں کی غلامی کو ناقابل بیان مظالم برداشت کرنے پڑتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی عربی کی جس دعوت نے ان لوگوں کو جس آسمانی خدا اور رب کائنات کی طرف راغب

---

(نوٹ ۱) یہاں سر ولیم میور نے اپنی متعصبانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قد کی درازی اور ان کے چہرہ کے خدوخال کے متعلق جو لیے ہوڈ کلمات تحریر کیے ہیں - ہم نے نظر انداز کر دیے ہیں (مترجم)

Marfat.com

وماٗل کر دیا تھا اُس نے ان کے دلوں کو اس طرح راحت وسکون سے بھر دیا تھا جیسے کسی زخمی انسان کے زخموں پر مرہم کا پھایا رکھ دیا جائے یا کسی کے قلب حزیں کو تسکین وتسلی سے راحت میسر آ جائے۔ حضرت بلال رضؓ غالبًا اپنے ہم قبیلہ اور ہم جنس لوگوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے متعلق کہا تھا کہ حبشہ کے ثمرات میں سے بلال سب سے پہلا ثمر ہیں اور شاید اس چھوٹے سے بچہ نے بچپن ہی میں اپنی حبشن والدہ سے مسیحی دین کی کچھ ایسی باتیں سیکھ لی تھیں جس کے باعث انہوں نے دین اسلام کی توحیدی تعلیمات کو جلد قبول کر لیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان غلاموں اور باندیوں پر مصیبتوں کے پہاڑ اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے ظلم وستم صرف اس لیے توڑے جاتے تھے کہ ان مظلوموں اور بے چاروں کی حمایت کرنے اور انہیں ظلم سے بچانے والا کوئی نہ تھا پورے جزیرۃ العرب میں ایام جاہلیت سے لے کر اب تک یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ مظلوم کی حمایت اُس کے عزیز واقارب اور قبیلہ والے ہی کیا کرتے تھے خواہ اس حمایت ومدافعت میں اُن کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے چنانچہ جو شخص بھی کسی عرب کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتا تھا اس کو سب سے پہلے اس کے گھر والوں اور قبیلہ کے لوگوں کے جذبۂ انتقام کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا اور انتقام در انتقام کا یہ سلسلہ بعض اوقات دونوں حریف قبائل میں عرصہ دراز تک چلتا رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

اور ان کے صحابہ اس سخت قبائلی وخاندانی انتقام کے خوف واندیشہ کے باعث دشمنوں کے حملوں سے کافی دنوں محفوظ رہے لیکن ان غریب الدیار اور لاچار وبے کس غلاموں کو ایسی کوئی حمایت کسی طرف سے حاصل نہ تھی۔ اس لیے ظلم کے ہاتھ ان کی طرف آسانی سے بڑھتے تھے اور موت کا سایہ بھی انہی مسکینوں پر ہمیشہ منڈلاتا رہتا تھا۔ عرب کے ریگزاروں میں سخت گرمی کے موسم میں تپتی ہوئی ریت اور چلچلاتی دھوپ میں نہ صرف ان مظلوم غلاموں کو ننگا کرکے لٹا دیا جاتا تھا بلکہ ان کو کئی کئی وقت بھوکا اور پیاسا بھی رکھا جاتا تھا تاکہ ان بے سہارا اور بے کس غلاموں کی ہمت جواب دے جائے اور یہ اسلام سے متعلق اپنے عقیدہ و ایمان سے باز آجائیں یہ بدبخت ظالم اسی پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے سامنے ان کے بزرگوں کو گالیاں دیتے تھے اور ان کے محبوب نبیؐ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے اور ان کی زبان سے نبی کو برا بھلا کہلوانا چاہتے تھے اور ان مسلمانوں کو چڑانے کے لیے اپنی سچائی کے ثبوت میں لات ومنات اور عزیٰ کی قسمیں بھی کھاتے تھے۔ قرآن پاک نے ذیل کی آیت میں انہی ضعیف و مسکین مسلمانوں کی تسکین وتالیف قلب کے لیے ارشاد کیا ہے انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بایات اللہ واولئک ھم الکاذبون، من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ

Marfat.com

ولھم عذابٌ عظیمٌ۔

" جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں جو کوئی اللہ سے ایمان لانے کے بعد کفر کرے بجز اس کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔"

مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان تمام ہولناک اذیتوں اور کربناک مظالم کے مقابلہ میں اس طرح ثابت قدم رہے کہ کبھی زبان سے اُف تک نہ کی غرضکہ کوڑوں کی شدید ضربیں پیاس کی شدید اذیتیں چلچلاتی دھوپ اور عرب کے تپتے ہوئے ریگزار پر عریاں سینہ پر رکھے ہوئے گرم پتھر بھی حضرت بلالؓ کے حوصلہ اور استقامت کو شکست نہیں دے سکے، اس کے برعکس وہ ظالموں اور عذاب دینے والوں کا جواب صرف کلمہ احد، احد کی بار بار کی تکرار سے ہمیشہ دیتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل کی تکالیف کے متعلق فارسی کے مشہور صوفی شاعر خواجہ فریدالدین عطار اپنی کتاب منطق الطیر میں لکھتے ہیں "حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کمزور و ناتواں جسم پر لاٹھیوں کی شدید ضربوں کے ساتھ اپنے عریاں جسم پر چمڑے کے اتنے کوڑے بھی کھائے جس سے ان کے جسم پر نہ کھال سلامت رہی تھی اور نہ ہی خون بہنا بند ہوتا تھا لیکن

Marfat.com

پھر بھی وہ اللہ کے بندے لا الہ الا اللہ کے ذکر و ورد سے باز نہیں آتے تھے"
چنانچہ ایک روز اتفاقاً جب کہ ان مسکین و مظلوم حبشی غلام کو عذاب الیم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا ایک نحیف الجثہ پستہ قد، شکیل و کشادہ جبیں شخص جو یہ ماجرا دیر سے دیکھ رہا تھا ان کے پاس سے گزرا تو اس نے بھی دوسروں کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس دردناک عذاب کو عزم و حوصلہ اور ہمت و استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ نحیف و نزار شخصیت مکّہ کے مشہور تاجر حضرت عبداللہ بن عثمان ابی قحافہ کی تھی جو تاریخ اسلام میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و مددگار اور دعوائے نبوت پر اوّلیں لبیک کہنے والوں میں تھے اور اس غار کے رفیق و یارِ کہلاتے تھے جس کے متعلق روایت ہے کہ اس کے دہانہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا تاکہ وہ اور نبیؐ تعاقب کرنے والے جانی دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو تاریخ اسلام میں رسولؐ کے اوّلیں صدیق اور انتہائی وفادار اور مخلص ترین سمجھا جاتا ہے انہی کی بیٹی (حضرت) عائشہؓ پیغمبر اسلامؐ کی رفیقِ زندگی بنیں اور انہی کے باپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ اوّل مقرر ہوئے اور جو اس وقت تک اپنے مال میں سے تقریباً چالیس ہزار درہم ان غلاموں کی خریداری پر خرچ کر چکے تھے جو مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے مشرک اور ظالم آقاؤں کے ہاتھوں سخت ترین

Marfat.com

عذاب بھگت رہے تھے۔ چونکہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) مظلوم غلاموں اور بے سہارا قیدیوں کی خریداری و رہائی میں اپنا پیسہ بے دریغ خرچ کرتے تھے اس لیے جب اُن کے باپ ابوقحافہ ان سے کہتے تھے کہ تم مضبوط و توانا اور طاقت ور لوگوں کو آزاد کرانے میں اپنا پیسہ کیوں نہیں خرچ کرتے ہو جو کل کو تمہارے کسی کام بھی آسکیں اور تمہارے قوت بازو بن سکیں تو وہ جواب دیتے تھے۔ میں تو خالصتاً لوجہ اللہ ان کو خرید کر آزاد کر رہا ہوں چنانچہ راویوں کا بیان ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور سخاوت و تقویٰ کی بدولت (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اتنے فقیر اور تنگدست ہو گئے تھے کہ وہ بھیڑ کی اُون کا بنا ہوا نہایت سخت اور کھُردرا کپڑا پہنتے تھے اور جب انہوں نے (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو سخت ترین عذاب میں مبتلا دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا اور وہ اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کے پاس (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کے لیے تشریف لے گئے چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سودا ایک چغہ اور دس دینار کے عوض طے ہوگیا لیکن کم ہی لوگوں کے دل میں ان پے در پے مصائب کو دیکھ کر یہ خیال گزرا ہوگا کہ کسی دن اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے پر ایسا وقت بھی آسکتا ہے جب یہ دونوں ظالم باپ بیٹے اپنے اس مظلوم غلام سے رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دس سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ یہ دن آگیا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بدر کے خونین معرکے کے بعد اپنے دونوں سابق

Marfat.com

آقاؤں پر قابو پانے کا موقع مل گیا انہوں نے ان دونوں باپ بیٹوں کو بدر کے قیدیوں میں دیکھا جس سے اُن کے دل کو اس وقت ایک گونہ تسکین ہوئی جب وہ دونوں ان کی نظروں کے سامنے اپنے اعمال کی پاداشں کو پہنچ رہے تھے اس لیے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو بُرائی کے بدلہ بھلائی کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔ لہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ وہ پہلے غلام تھے جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیمتاً خرید کر خالصتاً لوجہ اللہ آزاد کیا وہ نہایت تندرست و توانا انسان تھے فارسی قصیدہ میں ان کو جو نحیف و کمزور کہا گیا ہے اس سے دراصل بشری طبیعت کی وہ کمزوری مراد ہے جو روحانی قوت پر قیاس کر کے دیکھی اور پرکھی جاتی ہے۔ چغل خوروں اور جھوٹی باتیں گھڑنے والوں کی زبانیں کبھی خاموش نہیں رہتی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایسی ہی بے سروپا باتیں بھی بعض لوگوں نے مشہور کر رکھی تھیں اُن کا کہنا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تقویٰ کی نیت سے خرید کر فی سبیل اللہ آزاد نہیں کیا تھا بلکہ اس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد پوشیدہ تھا۔

غرضکہ جن حالات میں یہ نیک بخت اور شعورمند تاجر ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

لہ یہ بھی اسلام کے خلاف مضمون نگار کا یک طرفہ فیصلہ ہے اسلام اگرچہ انتقام کی اجازت دیتا ہے لیکن عفو و درگزر کو بہرحال افضل قرار دیتا ہے اور بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی تعلیم دیتا ہے (مترجم)

Marfat.com

ایک عرصہ تک اپنے تجارتی معاملات سے عہدہ برآ ہوتے رہے ان میں اس قسم کی جھوٹی اور غلط افواہیں مشہور ہو جانا کچھ بعید نہیں تھیں مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی ان باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اور ان کو اسی انداز میں لعنت ملامت کیا کرتے تھے جس طریقہ و انداز میں قرآن پاک میں ان کو برا بھلا کہا گیا ہے سورۃ واللیل میں خدا تعالیٰ نے فرمایا :-

واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلّٰی وما خلق الذکر والانثیٰ ان سعیکم لشتّٰی فاما من اعطیٰ واتّقیٰ وصدّق بالحسنیٰ فسنیسرہٗ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذب بالحسنیٰ فسنیسرہٗ للعسریٰ وما یغنی عنہ مالہٗ اذا تردّیٰ انّ علینا للھدیٰ وان لنا للآخرۃ والاولیٰ فانذرتکم نارًا لا یصلاھا الا الاشقی الّذی کذّب وتولّیٰ وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہٗ یتزکّیٰ وما لاحد عندہ من نعمۃٍ تجزیٰ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ۔

"قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور اس کی جس نے نر و مادّہ کو پیدا کیا بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا سو اس کے لیے راحت کی چیز آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا سو ہم مصیبت کی چیز اس کے لیے آسان کر دیں گے اور اس کا مال کچھ اس کے کام نہ آئے گا بے شک ہمارے ذمہ راہ بتانا

Marfat.com

ہے اور بے شک ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دُنیا بھی سو میں تو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں ۔ اس میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی اور اس سے پرہیزگار دُور ہی رکھا جائے گا جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے اور اس کے اُوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اُتارے بلکہ وہ اپنے عالی مرتبہ پروردگار کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے اور وہ عنقریب یقیناً خوش ہو جائے گا ۔“

اسی لیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے امین خادم بن کر رہے اور اسلام کی نشر و اشاعت میں بھرپور حصّہ لیتے رہے اگرچہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد واپس مکہ چلے گئے تھے اور قریش کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے جنہوں نے اُن کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں لیکن یہ روایت قطعاً مشکوک اور ناقابلِ اعتبار ہے اور تاریخی روایت کے علاوہ درایت کے لحاظ سے بھی پایہ اعتبار سے ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ گری ہوئی ہے اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی اذان کے بعد سے مسلسل مدینہ ہی میں نظر آتے ہیں جہاں وہ اخیر تک بالاتفاق مؤذن اوّل کی حیثیت سے برقرار رہے اذان کا موجودہ طریقہ دعوت اسلامی کے آغاز کے ساتھ شروع نہیں ہوا تھا ۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی دَور میں مسلمانوں کی تعداد چونکہ کم تھی اور وہ بالعموم جوارِ نبیؐ ہی میں رہتے تھے ، اس لیے اُن کو باجماعت نماز کے لیے الصلوٰۃ جامعۃً کہہ کر بُلایا جاتا

Marfat.com

تھا لیکن جب مدینۃ النبیؐ میں مسجد نبوی بن کر تیار ہو گئی اور قبلہ کا رُخ بھی مسلمانوں کے لیے بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا گیا تو اذان کا موجودہ معروف طریقہ رائج ہوا، بہر حال خانہ کعبہ کو اگرچہ مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا گیا لیکن قبلہ اوّل کی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کی اہمیت کسی طرح بھی کم نہیں ہوئی ہے اس کا احترام اور اس سے تعلق مسلمانوں کو ہمیشہ عزیز رہا ہے۔ کیا واعظ اور ذاکر علامات قیامت کے سلسلہ میں یہ بیان نہیں کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام قیامت کے قریب صبح کی نماز سے قبل بیت المقدس کے قریب نازل ہوں گے۔ تو ان کے نزول سے مسجد منور ہو جائے گی اور اس کے بعد جب محراب امام کی طرف جائیں گے تو وہ سب لوگ جو خود کو ان کا پیرو کہتے ہیں اس وقت حیران رہ جائیں گے جب وہ علی الاعلان کلمہ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان سے سُنیں گے۔ اذان کے متعلق ذہنوں میں خیال بھی کچھ عجیب طریقہ پہ توفیق الٰہی سے پیدا ہوا، یوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اس نو تعمیر وسیع مسجد میں مسلمانوں کو نماز کے لیے بُلانے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج تھا بدلتے ہوئے حالات میں کچھ زیادہ مناسب اور بہتر نہیں معلوم ہوتا تھا اس لیے کہ الصلوٰۃ جامعۃؐ کے الفاظ سے نہ اسلام کی عظمت و شان کا اظہار ہوتا تھا اور نہ ہی ان سے اسلامی فرائض اور مسلمانوں کے دینی تقاضے پورے

Marfat.com

ہوتے تھے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو نماز کے لیے بُلانے اور جمع کرنے کے لیے بگل[1] کا استعمال کیا جائے شروع میں وہ تحویل قبلہ بھی نہیں[2] چاہتے تھے اس کے علاوہ ان کے ذہن میں اذان کے لیے اُن آلات کے استعمال کا خیال بھی آیا لیکن اس کے لیے اُن کو مدینہ میں ایسا کوئی آدمی نہیں ملا۔ جو ناقوس بنا سکتا۔ اسی زمانہ میں جب کہ صحابہ کرامؓ نماز کے لیے لوگوں کو بُلانے اور جمع کرنے کے طریقہ کے بارہ میں غور و فکر اور آپس میں مشورے کر رہے تھے کہ ایک نیک دل[3] اور متقی مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ ان کے گھر کے قریب چاندنی رات میں ایک طویل القامت شخص جو سبز کپڑوں میں ملبوس ہے اور ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے سامنے

---

[1] طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق بگل اور ناقوس وغیرہ کے لیے نبی کریمؐ کی طرف سے کوئی اشارہ نہیں ملا تھا بلکہ اس کے بارہ میں صرف صحابہؓ میں مذاکرے اور مشورے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب عبداللہ بن زید الخزرجیؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان کے وہ الفاظ دہرائے جو انہوں نے خواب میں سُنے تھے تو آپ نے ان پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

[2] اسی طرح تحویل قبلہ جیسا کہ قرآن پاک دوسرے پارہ میں بتاتا ہے جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر ہوا تھا تو نہ چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (مترجم) [3] ان کا نام عبداللہ بن زید الخزرجی تھا (مترجم)

Marfat.com

سے گزر رہا ہے یہ مسلمان خود اس شخص کے قریب گئے اور اُن سے ناقوس کی خریداری کی بابت دریافت کیا۔ اس پہ وہ طویل القامت شخص ہنسا اور کہنے لگا تم یہ ناقوس خرید کر کیا کرو گے اس پہ اس نے جواب دیا میں اس کو اپنے رسول علیہ الصلواۃ والسلام کے لیے خرید رہا ہوں تاکہ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو نماز کے لیے جمع کر سکیں۔ اس پہ وہ طویل القامت شخص جو بات کو مزید طول دینا چاہتا تھا بولا میں تم کو اس سے بھی اچھی چیز بتائے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص مسجد کی چھت پہ کھڑے ہو کر اس طرح پکار پکار کر اعلان کرے جیسے میں تمہیں کر کے دکھاتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ایسے عجیب ترنم آمیز آواز میں اذان کے الفاظ کو پڑھنا شروع کیا جس سے خدائے بزرگ و برتر کی عظمت و جلال کے ترانے کانوں میں گونجنے لگے اذان کے یہی وہ الفاظ ہیں جو آج بھی افریقہ کے ساحل سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک سُنے جاتے ہیں۔

اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ، اشہد انّ محمداً رسول اللّٰہ ، حیّ علی الصلواۃ حیّ علی الفلاح ۔ لا الٰہ الا اللّٰہ ۔

اس کے بعد وہ صالح شخص بیدار ہوئے تو ان کے کانوں میں مذکورہ اذان کے نغمہ آگیں الفاظ گونج رہے تھے وہ فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کا سارا ماجرا کہہ سُنایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی طرح غور سے سُنا جس طرح رویائے صادقہ کے الفاظ جو

Marfat.com

من جانب اللہ ہوتے ہیں سُنے جاتے ہیں اور انھیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اس عجیب وخوب صورت اور دلکش آواز کا خیال آیا جو قدرت نے ان کے وفادار خادم کو عطا کی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اُن مخصوص کلمات کے ساتھ لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کا حکم دیا جو اس مرد صالح نے خواب میں سُنے تھے گو یہ شب کا آخری حصہ تھا مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کلمات جدیدہ کو طلوعِ فجر سے قبل یاد کر لیا اور ابھی صبح صادق کا نور پھیلنا شروع ہوا تھا کہ اہل مدینہ آواز کا جادو جگانے والے مؤذن اوّل بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی مسحور کن آواز سے بیدار ہونا شروع ہو گئے جو مسجدِ نبویؐ کے اس بلند جھروکہ سے اذان دے رہے تھے جو مستقبل میں اذان کے خوبصورت اور حسین منارہ کی ابتداء اور تمدن وثقافت اسلامی کی خشت اولیں تھی اور جس نے چودہ سو سال قبل مدینہ کی منور فضاؤں اور روشن ستاروں کے جھرمٹ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے منارۂ اذان کی پہلی سیڑھی کا کام انجام دیا تھا - ان چودہ صدیوں میں اسلامی دنیا میں ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا جس میں اذان کی مسحور کن صدا کانوں میں نہ پڑی ہو اذان کے یہ سریلے نغمے ان گنت اسلامی شہروں میں گھڑیوں کا کام بھی دیتے چلے آرہے ہیں - اور تاریخی طور پر یہ بات منقول چلی آرہی ہے کہ قیامت کی علامت کے طور پر جب حضرت مہدیؑ نمودار ہوں گے تو ایسی بلند آواز میں اذان دیں گے جو تمام دنیا میں سُنی جائے گی - اذان کی یہ آوازیں تمام

Marfat.com

عالم اسلام کے سیاحوں اور اجنبی مسافروں کے لیے اپنے اندر بڑی ندرت اور کشش رکھتی تھیں اور بعض اوقات اس سے ان کو وحشت بھی ہوتی تھی اور خوف بھی پیدا ہو جاتا تھا عالم اسلام میں اذان کی آواز مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت کے لیے صلائے عام کی حیثیت رکھتی ہے لیکن بعض اوقات دشمنوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے اور غارت گری کے لیے اذان کو بطور حربہ کے بھی استعمال کیا ہے۔ مشہور صوفی شاعر شیخ فریدالدین عطارؒ کو نیشا پور کا شہر بڑا محبوب تھا ان کا بیان ہے کہ مسلمانان نیشا پور کو ساتویں صدی کے آٹھویں سال اذان کی آڑ میں چنگیز خاں اور اس کی فوجوں نے قتل وغارت گری کا نشانہ بنایا کیونکہ ان چنگیزی لٹیروں کی عادت ہی تخریب و غارت گری کی تھی یہ لوگ حکومت قائم کرنے اور شہری انتظام بحال کرنے اور سیاسی اقتدار قائم کرنے کے لیے ملک فتح نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا اصل منشاء لوٹ مار اور تباہی و بربادی لانا ہوتا تھا اور اس میں وہ انتہائی سفاکی، بربریت اور ظلم و شقاوت سے کام لیتے تھے وہ شہر پر ایک بار حملہ آور ہو کر اور اس کو تباہ و برباد کر کے تھوڑے سے وقفہ کے بعد دوبارہ جائزہ لینے کے لیے واپس آیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب نیشا پور کو انھوں نے خوب اچھی طرح تاراج کر لیا تو بستی میں دوبارہ داخل ہو کر انہوں نے مسلمانوں کی طرح اذان دینا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسلمان پہلے حملہ میں اپنی جانیں بچا کر ادھر اُدھر روپوش ہو گئے تھے اور اذان کی آواز

Marfat.com

سُن کر باہر نکل پڑے اور شہر میں داخل ہو گئے اور اس طرح مسلمان ان ظالم چنگیزیوں کے ہاتھوں دوبارہ ان کے موردِ عتاب بن کر قتل و غارت گری سے دوچار ہوئے۔ فارس کے اس مشہور شاعر نے تاتاریوں کی وحشی فوج کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی تھا انہوں نے کہا تھا۔

ان کے حملہ کا مقصد سیادت و سیاست آبادکاری اور انتظام نہیں تھا بلکہ ان کا اصل مقصد نوع انسانی کی بیخ کنی تھا۔ بہرحال حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سحر آفریں اذان کی پرکیف آواز سے لوگوں کو مدتوں مسحور کیے رکھا۔ جس طرح سبز لباس میں ملبوس اس مرد صالح نے خواب سے بیدار ہو کر اذان کے پرکیف و پُراسرار نغمے سُنا کر لوگوں کو فریفتہ کر دیا تھا۔ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد اب ہمیں یہ تو مقدرت نہیں ہے کہ ہم اس افریقی مؤذن کی ذات و صفات کے حقیقی خدوخال آپ کے سامنے من و عن بیان کر سکیں اور ان کی آواز کی نغمگی و موسیقیت اور اس کی خوبیوں پر تفصیل سے روشنی ڈال سکیں لیکن اُس طبقہ کی موسیقی کی خصوصیات کچھ ضرور بیان کریں گے جس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تعلق تھا اور اسی سے اُن کی نغماتی خصوصیات اور آواز پر روشنی پڑتی ہے بظاہر ان کا تعلق بار یتونی طبقہ سے تھا جس میں ہمارے نزدیک امتداد اور کثرت و بہتات کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ برخلاف عربی نغمہ کے کہ اُس میں مزاج کی تیزی و تندی کے ساتھ نغومت و ملائمت کا پہلو بھی ہوتا تھا۔

Marfat.com

اس میں شک نہیں کہ عہد جاہلیت میں عربی نغمہ کے فن میں کئی شخصیتیں بہت مشہور گزری ہیں جن کی تعریف فرانسیسی سیاح نے بھی کی ہے ڈاکٹر پیرن نے عرب خواتین کے بارہ میں جو کتاب ۱۸۴۰ء میں لکھ کر الجزائر سے شائع کی اس میں وہ لکھتے ہیں کہ عرب خواتین سے فیض اٹھانے والے اکثر غلام ہوتے تھے اور دعوت محمدی کی اشاعت سے قبل یہ تمام گانے والے بالعموم حبشی اور زنجی ہوتے تھے اسی طرح یہ امر بھی بعید نہیں ہے کہ وہ دو مشہور باندیاں بھی جو عاد کی جرادتیں کہلاتی تھیں اور اپنے گانوں کے لیے بہت مشہور تھیں، حبشی باندیاں ہوں - ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں عبداللہ بن جدعان کی باندیاں تھیں جو عاد کی نسل سے تھا دراصل عربی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جو عمدہ گانے والوں اچھا شعر کہنے والوں یا ماہر فن آزاد حبشی یا مخلوط النسل کنیزوں سے خالی رہا ہو، ان حبشی النسل سیاہ لوگوں میں ایک شخص وہ بھی گزرا ہے جس نے سبعہ معلقات میں سے ایک معلقہ خود بھی نظم کیا تھا اور اس کے اور بھی متعدد قصیدے، نغمے اور گیت اس سے منسوب ہیں یہ مشہور و معروف شخص عنترہ ابن شداد تھا اور انہی میں فارسی کا شاعر خناف بھی تھا جو خنساء کا چچازاد بھائی تھا اور شنفری بھی ہے جس نے بھی اشعار کا کچھ کم ذخیرہ نہیں چھوڑا اور جس کو اس جنگ کے باعث شہرت حاصل ہوئی جو اس نے اپنے ایک ایسے دوست کا انتقام لینے کی خاطر لڑی تھی جس نے اپنی بیٹی غیر کفو میں بیاہ دی تھی چنانچہ اس نے قسم کھائی

Marfat.com

تھی کہ جب تک وہ اپنے مقتول دوست کے عوض سو آدمی قتل نہ کرلے گا چین سے نہیں بیٹھے گا غرضیکہ وہ ننانوے آدمی تو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور آخری آدمی کا سر ان لوگوں نے خود کاٹ کر اس کے پاس پہنچا دیا تھا۔ روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عنترہ کے آنے اور اس سے ملنے کے بہت خواہش مند تھے کیونکہ وہ اسلام کی دعوت اخوت و مساوات سے بے حد متاثر تھا اور عرب کے غلاموں کی نجات خصوصاً اسلامی تعلیمات میں مضمر سمجھتا تھا۔ بہر حال اسلام کی روح آہستہ آہستہ خوب صورت صحرائی قصائد میں بھی سرایت کرتی چلی گئی، جس میں نہ صرف صحرا کے زنگوں کی گرمی بلکہ تپتے ہوئے ریت کی گرمی اور مسموم فضاء کے گرم اثرات بھی ساتھ ساتھ سموتے چلے گئے، یہ حبشی النسل گویّے برابر اپنے نغمے الاپتے رہے مگر معلقات نظم کرنے سے گریزاں رہے اور ظہور اسلام کے تین صدی بعد بھی ایسے سیاہ فام حبشیوں اور مخلوط النسل گانے والوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی جو اس فن میں کمال اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ عبدالملک نے سعید ابن مذحج کا سارا مال و متاع اس لیے ضبط کر لیا تھا کہ اس کے گانوں اور نغموں کے جادو سے اشراف کی اولاد فتنہ میں مبتلا ہو گئی تھی اور انہوں نے اس کو بے دریغ انعام و اکرام سے نوازنا شروع کر دیا تھا اور اپنی جائداد اس پر لٹانا شروع کر دی تھی جو مکہ کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا اسی طرح ابو محجن نصیب بن الزنجی کو بھی امراء اور حکام کی جانب سے

Marfat.com

عبدالملک کے عہد سے لے کر ہشام کے زمانہ تک بہت کچھ ملتا رہا۔

سُنا ہے کہ یزید ثانی نے تو اس کا منہ موتیوں سے بھروا دیا تھا۔ اور ابوعباد معبد نے جو اپنے زمانہ کے مغنیوں کا سردار تھا تین خلیفاؤں کو بے حد خوش کیا تھا اُس نے یزید کو جب وہ اس کا گانا سُن رہا تھا طرب وانبساط میں اتنا مست و بے خود بنا دیا تھا کہ اس نے ایک ہی دفعہ میں خوش ہو کر اس کو دس ہزار دینار انعام میں دے ڈالے تھے اور ولید ثانی اپنے بھائی کے ساتھ سیاہ ماتمی لباس پہن کر اس کے جنازہ میں شریک ہوا تھا جب کہ اس کی موت بھی اسی کے محل میں واقع ہوئی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سلامتہ الزرقاء جس کے ایک بوسہ کی قیمت چالیس ہزار تک لگ چکی تھی ایک حبشی النسل باندی تھی اسی طرح سلامتہ القس اور حبابہ اس کی دو سہیلیاں مدینہ کی مولدات باندیاں تھیں اور سب سے مزے دار عربی کہانیوں میں وہ کہانی ہے جس میں یزید حبابہ کے عشق و محبت میں اس کے مرنے پر اپنی جان تک دے دیتا ہے۔

اور بہت سے قرائن و دلائل سے یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ حبشی کنیزوں کی آوازیں اور اُن کے گانوں کے اسالیب و اندازیں مسلمان امراء و حکام کے لیے بڑی کشش و جاذبیت تھی اس کا اندازہ ادبائے عرب اہل فارس کے کلام سے بھی ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ اسماعیل بن جامع نے جو اسلام کے سنہری دور کا سب سے بڑا مغنی کہلاتا تھا ایک حبشی کنیز کو چار درہم صرف اس لیے دیے تھے کہ وہ نادر نغمہ سُنا کر نقل کرا دے حالانکہ اس وقت

Marfat.com

یہ کنیز اپنے سر پہ مٹی کا گھڑا اٹھائے کہیں جا رہی تھی لیکن بعد کو ایک دور ایسا بھی آیا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جب یہ نغمہ سُنا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ اس نے آج تک ایسا خوبصورت اور نادر نغمہ نہیں سُنا تھا اور خوش ہو کر مغنّی کو اس نے چار ہزار دینار بطور انعام دیے اور اس کے ساتھ نہایت عمدہ سازو سامان سے آراستہ ایک مکان بھی اس کو رہنے کے لیے دیا اس موقع پہ فارسی کے مشہور شاعر شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی بتاتے ہیں کہ مسلمان امراء وسلاطین کے دربار میں ان حبشی گویّوں اور موسیقاروں کی موسیقی کے فن میں آغاز اسلام کے بعد تک بڑی قدردانی تھی منجملہ دیگر روایات کے انہوں نے نہ صرف ایک روایت درادیش کے حالات کے متعلق بھی اپنی کتاب بستان الورد میں نقل کی ہے بلکہ اس کے عینی شاہد بھی بیان کیے ہیں۔ شیخ سعدی کا بیان ہے کہ" میں ایک مرتبہ چند ایسے نوجوانوں کے ہمراہ حجاز کی طرف روانہ ہوا جو راستہ بھر وقفہ وقفہ سے صوفیائے کرام کے اشعار ترنم سے گاتے چلے جارہے تھے ہمارے ساتھیوں میں ایک متقی شخص بھی تھے جو درویشوں کے سلوک اور احوال کے منکر تھے کیونکہ وہ اُن کی کیفیات واسرار سے قطعًا ناواقف تھے پس جب ہم لوگ بنی ہلال کے نخلستان میں پہنچے تو ہمیں بعض عربوں کے خیمے نظر آئے جہاں سے ایک حبشی نوجوان ایسی دلکش آواز میں گاتا ہوا نمودار ہوا۔ جس کی آواز سُن کر چرند پرند بھی درختوں سے نیچے اُترنے لگتے تھے اور جب میں نے اپنے ساتھی کے اُونٹ پہ نظر ڈالی تو اس پہ بھی اس کے

Marfat.com

مسحور کُن گانے کا ایسا اثر دیکھا کہ اُس نے اپنے سوار کو نیچے گرا دیا اور جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اس آدمی کو پکار کر کہا ارے بھائیؑ اس جانور کی آواز نے تمہارے جانور میں تو یہ اثر دکھا دیا مگر تم پہ تو اس کا مطلق اثر نہیں معلوم ہوتا" دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم عربوں کے عادات واطوار میں یہ بات داخل تھی کہ وہ اپنے اونٹوں کو کسی دُور دراز مسافت پہ لے جانے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرانے کے لیے حدی خوانوں کی آواز پہ بہت کچھ انحصار کرتے تھے۔ چنانچہ جنٹبیوس نے اس واقعہ کے ذیل میں بستان الورد کے ترجمہ میں ایک دوسرا واقعہ مذکورہ واقعہ سے بھی عجیب تر بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک معتبر مؤلف صحرا میں ایک ایسے شخص کے یہاں مہمان ہوا جس کے تمام اُونٹ مر گئے تھے کچھ دیر کے بعد اس مہمان کے پاس ایک حبشی غلام دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ وہ اس کے آقا سے اس کی سفارش کر کے اُس کا قصور معاف کرادیں۔ چنانچہ جب دسترخوان پہ کھانا لگ گیا تو اس مؤلف مہمان نے کھانے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور میزبان سے کہنے لگا کہ وہ اپنے غلام کا قصور معاف کر دے، میزبان نے کہا کہ اس کا غلام بڑا ہی خبیث ہے اگرچہ اس نے اس غلام پہ اپنا مال و متاع لٹا دیا ہے مگر اُس نے اُس کو تباہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بڑی خوبصورت اور نہایت اچھی آواز دی ہے اس لیے میں نے اس کو اونٹوں کا حدی خوان بنا دیا تھا اس نے اپنی آواز کے جادو سے اونٹوں کو چلا چلا کر

Marfat.com

ہلاک کر دیا ہے کہ اس نے تین دن کی مسافت ایک دن میں طے کرائی جس سے ان کے پیٹ کے بچے تک ضائع ہو گئے اب چونکہ تمہاری مہمانی کا مجھ پر حق ہے اس لیے اس کے بارہ میں اب میں تمہاری سفارش قبول کرتے ہوئے اس کو معاف کرتا ہوں۔"

لطائف وظرائف کے اس سلسلہ میں جو مشرق کے حدی خوانوں کے بارہ میں بیان کیے گئے ہیں ایک اور لطیفہ وہ ہے جو جلال الدین نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے ان کا بیان ہے کہ منصور نے سالم حدی خواں کو نصف درہم اس لیے دیا تھا کہ اس نے اپنی حدی خوانی سے اس کو اتنا خوش کر دیا تھا کہ وہ اپنے اونٹ پر سے گرنے لگا تھا اس پر سالم نے کہا میں نے جب ہشام کے لیے حدی خوانی کا فریضہ انجام دیا تھا تو اس نے خوش ہو کر مجھے دس ہزار درہم عطا کیے تھے اس میں شک نہیں کہ ایام جاہلیت نیز اسلام کے ابتدائی عہد میں یہ گانے والے اور حدی خواں بالعموم غلاموں اور حدی خوانوں میں سے ہوا کرتے تھے اور یہ حبشی غلام نہایت خوبصورت اور عجیب و دلکش آواز کے مالک بھی ہوتے تھے اور اس فن میں اپنی مہارت و ملکہ کے باعث بلند ترین مرتبوں پر فائز ہو جاتے تھے۔ اس لیے اس امر میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی یہ ملکہ درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا ان کی آواز کی حسن و خوبی کے متعلق جو کچھ منقول ہے وہ غلط نہیں ہے بلکہ حرف بحرف صحیح اور سچ ہے یہ دوسری بات ہے کہ آیا وہ اس

Marfat.com

ملکہ اور عمدہ آواز و ترنم کے خود ہی موجد تھے جو ان سے دوسرے مؤذنوں کو پہنچا ہے یا وہ اس انداز و طریقہ پہ اذان دیتے تھے جیسی ان کو ہدایت و تلقین کی جاتی تھی۔ بہرحال اب ہمارا فرض ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ بیان کریں کہ قدیم ترین عربوں میں موسیقی کے ساتھ شغف کے شدید احساس کے باوجود ان میں موسیقی سے وہ شدید لگاؤ پیدا نہیں ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایک کلمہ کو بار بار دہراتے تھے تجوید و تحوید اور مدّ و قصر سے بھی کام لیتے تھے حتیٰ کہ جدید عربوں میں بھی غنا و سرود کے متعلق کم و بیش یہی رویہ برقرار رہا حتیٰ کہ پیرن کو کہنا پڑا کہ مصر میں ایسا کون سا سیاح ہے جس نے کلمہ یا لیل کو گھنٹہ بھر یا اس سے زیادہ دیر تک دہرانے اور اس کی تکرار کرتے نہیں سُنا اور اغلب یہ ہے کہ عربی راگ یا نغموں میں عہد نبوی میں بھی تین قسم کے نغموں سے زیادہ اضافہ نہیں ہوا ان میں سے ایک وہ ہیں جو بسیط نغمے کہلاتے ہیں اور یہ سنجیدگی و وقار بہادری یا نرمی کے موقعوں پہ گائے جاتے ہیں دوسرے وہ جنگی نغمے اور اونٹوں کو ہنکانے والے نغمے ہیں جو مرکب نغمے کہلاتے ہیں اور یہ متعدد حرکات اور صوتی ترجیعات سے ترکیب پاتے ہیں۔ تیسرے وہ ہیں جو خفیف نغمے کہلاتے ہیں یہ وہ ہیں جو سُننے والے کو ہلکی پھُلکی تفریح اور خوشی مہیا کرتے ہیں یا سنجیدگی و متانت سے نکال کر ہزل و ظرافت کی طرف راغب کر کے غم و اندوہ سے نجات دلاتے ہیں چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے وہ بلاشبہ فرصت کے اوقات میں اُونٹوں کو ہنکا کر لے جاتے ہوں گے

Marfat.com

اس لیے فطری طور پر اونٹوں کو ہنکانے اور لے جانے والے نغمے ہی گاتے بھی ہوں گے اور اس طرح بسیط نغموں سے کام لیتے ہوں گے لیکن اپنے ابنائے جنس افریقیوں کی طرح اکثر و بیشتر وقت نکال کر مرکب نغمے بھی ضرور گاتے ہوں گے اور شاید اسی لیے وہ اذان بھی اپنے مؤثر طریقہ اور معروف انداز میں پڑھتے ہوں گے اور یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جو نغمے وغیرہ خواب میں سُنے جاتے ہیں وہ یادداشت میں کم ہی محفوظ رہتے ہیں چنانچہ جو نغمہ یا بول صالح اور متقی مسلمان نے سبز لباس میں ملبوس ایک شخص سے خواب میں سُنے تھے ان کا پوری طرح ذہن میں محفوظ رہنا اور پھر بیدار ہونے پر ان کا زبان سے اس وقت ادا ہونے لگنا جب کہ وہ اس خواب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کر رہے تھے ایک مشکل امر ہے اس[1] لیے یہ امر کچھ بعید نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود یہ اذان سُنی ہو اور اسے سُن کر اس آواز و لحن میں ڈھال لیا ہو جس کی صلاحیت ان میں افریقی

---

[1] یہ سوء ظن بے بنیاد ہے اس قسم کے خواب اللہ کے نیک بندوں کے ذہن سے کبھی فراموش نہیں ہوتے ہیں پھر یہ خواب ایک شخص نے نہیں بلکہ دو جلیل القدر صحابیوں نے دیکھے تھے جن میں ایک حضرت عبداللہ بن زید الخزرجی رضی اور دوسرے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے جس کی توثیق متعدد احادیث و روایات معتبرہ سے ہوتی ہے ایسی صورت میں مذکورہ بالا سوء ظن کی کوئی گنجائش نہیں ہے (مترجم)

Marfat.com

سلیقہ و شعور کے باعث پہلے ہی موجود تھی۔ اور اس صورت حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے کی اجازت دے دی ہو، جس طرح صبح کی اذان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو الصلوٰۃ خیر من النوم کے اضافہ کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔

اور یہ بات اس لیے بھی قریب الفہم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ ان کی ترتیل و لہجہ کے اسلوب پر برقرار رکھا اور اُن کو ہمیشہ اپنا مقرب اور معتمد بنائے رکھا وہ ان سے مہمات امور میں مشورہ بھی طلب فرماتے تھے اور ان کو دوسرے مؤذنوں پر خصوصی ترجیح بھی حاصل تھی چنانچہ ان کی موجودگی میں اذان دینے کی اجازت اس دوسرے شخص کو بھی نہیں تھی جو اذان کے لیے مقرر تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت میں زندگی بھر رہے وہ آپ کو اذان دینے کے بعد قرآن پاک کی کوئی آیت تلاوت کر کے جگا دیتے تھے اور کبھی حکمت و تقوے پر کوئی جامع کلمہ کہہ کر آپ کو بیدار کرتے تھے اور جب نماز کے لیے مسجد میں تمام نمازی جمع ہو جاتے تھے تو لوگوں کی نظریں اس افریقی مؤذن کی طرف اٹھی رہتی تھیں جو پہلی صف میں کھڑے ہوتے تھے تاکہ نماز میں اُن کی حرکات و سکنات کی تقلید کر سکیں کیونکہ مؤذن پر اذان کے علاوہ امام کے ساتھ تکبیر کہنے اور دعا پڑھنے کی ذمہ داری بھی اسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح کی ذمہ داری ایک پادری کی ہوتی ہے جو بشپ کو مدد دے کر مسیحی نمازوں میں اپنی ذمہ داری

(حاشیہ صد ۲۰۴ پہ)

پوری کرتا ہے جیسے جیسے اسلام کی قوت و شوکت میں اضافہ ہوتا گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور اذان سے بھی زیادہ اہم امور ان کے سپرد کیے جانے لگے چنانچہ وہ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی بنا دیے گئے اور اس مال و متاع کے امین قرار دیے گئے جو ان کے ہاتھوں میں پہنچتا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کی کنجیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس وقت دی تھیں جب آپ فاتحانہ طور پر اپنی سواری پر مکہ میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے اس عظیم الشان عمارت کی سب سے بلند جگہ پر چڑھ کر پہلی اذان دی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی اس دن نماز کے لیے اذان دے رہے تھے جب حضرموت کے سلاطین اسلام لانے کے لیے مدینۃ النبیؐ میں حاضر ہو گئے تھے اور یہ ہی وہ شخص تھے جو داعی نماز کی حیثیت سے اس وقت بھی لوگوں کو بلا رہے تھے

---

(حاشیہ صفحہ ۲۰۳) یہ بھی ایک طرح کی غلط فہمی ہے مسلمان نماز میں صرف امام کی اقتداء و اتباع کرتا ہے اور موذن کا کام اذان دینا اور اقامت کہنا ہے عیسائیوں کی طرح مسلمان اپنی عبادت کے لیے کسی کو واسطہ اور مددگار نہیں بناتے ہیں مسلمان نماز میں براہِ راست اپنے خدا سے مخاطب ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ کسی کی مدد کا طلب گار نہیں ہوتا (مترجم)

Marfat.com

جب اسلام کا لشکر جرار بت پرست مشرکوں سے جنگ کرنے کے لیے صحرا عرب پر چڑھائی کر رہا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائین میں سے تھے چنانچہ جس دن رسول اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے روانہ ہوئے تو وہ حضورؐ کی راحت و آرام کے لیے حتی المقدور راستہ بھر کوشاں رہے وہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں چل رہے تھے اور اُن کے سر پہ دوپہر کی سخت گرمی میں اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے کپڑے سے سایہ کرتے چل رہے تھے اور غالباً اس سفر میں وہ وادی کے ان مقامات سے بھی گزرے جہاں سادات قریش مؤذن رسولؐ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سورج کی تپش میں سخت ایذائیں دیا کرتے اور دردناک عذاب میں مبتلا رکھتے تھے پھر جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو یہ عجیب و غریب خوب صورت اور پُر اسرار آواز دفعتاً ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی چنانچہ نماز کے لیے لوگوں کو بلانے اور جمع کرنے کے لیے دُوسرے مؤذن کا بندوبست کیا گیا اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عہد کر لیا تھا کہ نبیؐ کے بعد اب وہ کسی دوسرے امام کے لیے اذان نہیں دیں گے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات پورے وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ انہوں نے کتنا وقت خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت و معیت میں گزارا لیکن اسی کے ساتھ سب کو اس کا اعتراف ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں میں بڑی قدر و منزلت کی

Marfat.com

نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ایک مرتبہ انھوں نے جب اپنے ایک حبشی نژاد بھائی کے لیے ایک آزاد عرب خاتون کا رشتہ مانگا تو قبول کر لیا گیا اتنی بڑی یہ رعایت و منزلت ان کو ایک ایسی قوم کی جانب سے مل رہی تھی جس کو اپنی نسبی شرافت اور غیر مخلوط نسلی عظمت پر بڑا فخر و غرور تھا۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اوّل کے بعد بعض مہم پر حاکم و سردار بنا کر بھی بھیجا گیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ عادل نے جب حضرت خالدؓ بن ولید جیسے جانباز اور اسلام کے مخلص و وفادار کمانڈر کا محاسبہ کرنا چاہا تو اس اہم کام کے لیے بھی ان کی نظر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ہی پڑی جنھوں نے مسلمانوں کی بھری محفل میں بڑی بے باکی سے جھپٹ کر حضرت خالدبن ولید جیسے اسلام کے مایۂ ناز سپوت اور سرفروش سپہ سالار کے سر سے عمامہ اُتار لیا اور اسی عمامہ سے اُن کے ہاتھ باندھ دیے اور بار بار یہ اعلان بھی کرتے جاتے تھے کہ یہ سب کچھ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر کیا جا رہا ہے مگر اس واقعہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کچھ سُننے میں نہیں آیا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو اس وقت حضرت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارہ میں صرف اس قدر معلوم ہوا کہ وہ بھی شام آچکے ہیں اور متعدد بار اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد میں شرکت کر چکے ہیں اس کے بعد حکومت کی طرف سے ان کو شام کے مضافات میں تھوڑی سی زرعی اراضی

Marfat.com

بھی دے دی گئی جس پر وہ کھیتی باڑی کر کے گزر بسر کرنے لگے البتہ اس عرصہ میں وہ معاشرتی زندگی سے بالکل کنارہ کش رہے یہ وہ وقت تھا جب اکثر صحابہ کرام دُنیا سے رُخصت ہو چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما بھی خدا کو پیارے ہو گئے تھے اسی طرح بعض دیگر صحابہ بھی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ جہاد رہے تھے اس دنیائے فانی سے کوُچ کر گئے تھے غرضنکہ یہ وہ وقت تھا جب پُرانی نسل کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی، مسلمانوں کی معاشی و معاشرتی حالات اور زندگی کی اقدار کافی بدل چکی تھیں، سادہ بدوی زندگی کی جگہ تعیش و کامرانی، غربت و تنگدستی کی جگہ خوشحالی و فارغ البالی لے رہی تھی جس کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کا غیر تمناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا روم و ایران اور دوسرے مفتوحہ ممالک سے خزانوں کے لدے ہوئے اُونٹ دار الحکومت میں چلے آ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو ان کی آنکھوں میں اس اندیشہ سے آنسو آ گئے کہ مسلمان اس چمک دمک کی زندگی میں پڑ کر آخرت کو فراموش کر دیں گے اور رشک و حسد کا شکار ہو کر فتنہ و فسا دمیں مبتلا ہو جائیں گے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مرفعہ الحالی و خوشحالی کے اس منظر کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ جس دین و ایمان کی خاطر انھوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے عذاب اور دُکھ اُٹھائے تھے اور مصیبتیں جھیلی تھیں اب وہ ابو طالب کے کنبہ سے باہر نکل کر اور صحرائے عرب کو عبور کر کے شرق

Marfat.com

شام و عراق ، مصر و فلسطین تک پہنچ چکا ہے اور بر اعظم افریقہ تک بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور آخر میں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نسل ہی کے ایک شخص نے اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھا کہ اسلام کا سورج مشرق و مغرب میں ایک طرف اسپین ، اٹلی اور فرانس کے اُفق پر نمودار ہو رہا ہے اور دوسری طرف صحرائے عرب کے گھوڑ سوار ایران کو فتح کرنے کے بعد کابل و قندھار کے دروازوں پہ دستک دے رہے ہیں - بہرحال حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پہلے جانشین خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ایسی خاموش ہوئی کہ پھر کبھی یہ صدائے دلنواز و شیریں سننے میں نہیں آئی - اُن کے ذہن میں شاید یہ خیال سما گیا تھا کہ جو آواز اللہ کے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سُنی اور اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو سنوائی اب ان کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اور کسی کو کیا سنانی ہے ؟ بہرحال ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ جب حضرت بلال رضؓ مدینہ سے شام چلے گئے تو وہاں پہنچ کر انہوں نے وہ اذان دینا از خود بند کر دی جو کبھی تاروں کے جھرمٹ اور مدینہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی روشنی میں مدینۃ النبیؐ کی معطّر فضاؤں میں دیا کرتے تھے لیکن آج وہ شام کے اُن مکینوں کے اصرار پیہم کے باوجود بھی اذان دینے کو تیار نہ تھے جو ان کی بے حد قدر و منزلت کرتے تھے اور ایک بار پھر ان سے اذان سُننے کے لیے بیتاب تھے البتہ ان کی یہ خاموشی صرف اس وقت ٹوٹی جب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ

Marfat.com

نے شام کا دورہ کیا اور رؤسا شام اور عوام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان سنوانے کا پُرزور مطالبہ کیا اس پہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا "اے میرے سردار و آقا! آج میری اور میرے ساتھ تمام مسلمانانِ شام کی آپ سے اذان دینے کی یہ آخری درخواست ہے امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر حضرت بلال رضہ کو مجال انکار نہ تھی اور وہ اذان دینے پہ آمادہ ہو گئے جو اُن کی زندگی کی آخری اذان تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دین جدید کے متوالے نوجوانوں میں جو دینی تشغف، حمیت و غیرت ملی پائی جاتی تھی اس میں حضرت بلال رضہ کے دینی جذبہ اور کوششوں کو بڑا دخل تھا ان کی رُوح پرور اذان کے نغموں کے بول اہل مدینہ کے قلب و رُوح میں جو آتش شوق بھڑکائے رکھتے تھے اس کی مثال کم از کم ہمیں دین مسیح کے کسی درویش و عالم اور دین موسوی کے کسی راہب کے یہاں نہیں ملتی ہے۔

چنانچہ جب شہر کے لوگوں نے یہ خوشخبری سُنی کہ وہ مؤذن نبوی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اذان کے پُرکیف و مسحور کُن نغمے دمشق کی فضاؤں میں ایک بار پھر سُنیں گے تو اُن کی خوشی و مسرت کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے اس کو اس لیے بے حد مغتنم سمجھا کہ اس اذان کی آواز میں اُن کو اپنے پیارے نبی مرسل صلوات اللہ علیہ وسلم کے مُقدس و متبرک پیغام و آواز کا پرتو محسوس ہوتا تھا۔ کاش حضرت

Marfat.com

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ اذان و آواز کسی صورت سے محفوظ ہو سکتی تو لوگ مؤذن اوّل کی رُوح پرور اذان سے آج بھی اسی طرح محظوظ ہوتے جس طرح قرنِ اوّل میں مدینہ کے خوش نصیب مسلمان اس سے محظوظ ہوتے تھے۔

---

Marfat.com

# تبصرہ

مشہور انگریزی ادیب و انشاء پردانہ لافکاڈیو ہیرن نے جو مقالہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر امور سے متعلق انگریزی میں تحریر کیا ہے اس کا ہم نے عربی میں ترجمہ کیا ہے، موصوف نے اپنی تحریر کے دوران مشرقی زندگی، اس کے آداب اور طور طریقوں کو جن میں روحانیت اور دینی اقدار کا امتزاج ہوتا ہے مغربی افکار کی روشنی میں پرکھا اور دیکھا ہے اور باوجودیکہ انہوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد تاریخی مصادر و مآخذ پر رکھی ہے پھر بھی ان کی تحریر ایسی لغزشوں اور غلطیوں سے پاک نہیں ہے جو بالعموم مستشرقین سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور یہ غلطیاں بالعموم ان کو اپنے موضوع کو دلچسپ و خوبصورت بنانے اور ان کی صیقل گری کرنے کی کوشش میں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ اس مقالہ میں بھی ایسی کئی فروگزاشتیں مسٹر لافکاڈیو ہیرن سے بھی سرزد ہوئی ہیں جن کی ہم یہاں سرسری طور پر نشاندہی کر کے تصحیح و اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ منجملہ دیگر غلطیوں اور فروگذاشتوں کے ایک غلط اور بے بنیاد بات ابورویحہ کے متعلق بھی ہے جن کو موصوف نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حقیقی یا سوتیلا بھائی سمجھ لیا ہے

Marfat.com

حالانکہ تحقیقی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حقیقی یا سوتیلے بھائی نہ تھے بلکہ ان دونوں میں اسی طرح کی مواخاۃ اور دینی بھائی چارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مسلمانوں یعنی انصار اور مہاجرین مدینہ کے درمیان مدینہ آکر قائم کیا تھا۔

موصوف کی دوسری غلطی وہ ہے جو ان کو بلادِ عرب میں حبشی غلاموں اور باندیوں کے بکثرت مغنّی اور مغنّیہ ہونے اور اصل عرب باشندوں میں ان کی کمی اور قلّت کے سبب محسوس ہوئی ہے۔ ان کے خیال میں اصل عربوں میں صوتی آلات کی کمی، فنی مہارت کا فقدان اور عدمِ قدرت تھی جب کہ حبشی غلام اور باندیاں اس نقص سے پاک اور بری تھیں اس لیے انہوں نے نہ صرف حجاز میں فن موسیقی اور غنا کو اپنایا اور اس کو ترقی دی بلکہ عالم اسلام کے دیگر حصّوں میں بھی انہوں نے اس فن میں بھرپور حصّہ لیا، ادیب موصوف کی مذکورہ بالا توجیہ و تعلیل صداقت و صواب سے قطعًا خالی اور بعید ہے۔

اس لیے کہ ہم آج بھی عربوں کی آواز اور نغموں کو اس طرح توجہ اور شوق سے سُنتے ہیں جس طرح اُن کے صوتی اتار چڑھاؤ اور لب و لہجہ کو قبل از اسلام پورے انہماک اور توجہ سے سُنا کرتے تھے لہٰذا ہم ان کے کسی طبقہ میں بھی آواز کے زیر و بم، اس کی ادائیگی، اس کے اتار چڑھاؤ اور آہستگی و بلندی میں کسی طرح کی بھی کمی نہیں پاتے ہیں البتہ وہ غنایت اور موسیقی سے اس دور میں اس خیال سے احتراز و اجتناب کرتے تھے کہ اس نوع

Marfat.com

کی نغمگی اور غنائیت و موسیقیت ان کی بدویانہ و مردانہ زندگی کے برخلاف نسائیت یا بالفاظ دیگر مخنث ہونے کے مترادف سمجھی جاتی تھی اور اُن کی بہادرانہ، جنگی زندگی اور شریفانہ طرز حیات کے قطعًا منافی تھی۔ وہ نہ صرف مشہور اہل حرب اور میدان جنگ کے شہسوار تھے بلکہ تجارت اور کاروبار میں مصروف رہنے کی وجہ سے قافلوں کے ساتھ سردیوں اور گرمیوں میں طویل طویل اور صبر آزما سفر کیا کرتے تھے اور کش مکش حیات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ عربوں کو یہ تمام مردانہ اوصاف وراثت میں ملے تھے جو عہد اسلامی کے زرّیں دور تک قائم رہے اس لیے غنا اور راگ رنگ کی باتیں حبشی موالیوں اور زنجی کنیزوں یا مخنثّوں اور ہیجڑوں تک محدود رہیں جو اسی مقصد سے زنانہ لباس بھی پہنتے تھے اور انہی کی طرح میک اپ اور بناؤ سنگھار کیا کرتے تھے اور لمبے لمبے بال بھی رکھتے تھے انہی سے یورپ کے لوگوں نے بھی یہ عادات و اطوار اور خصلتیں سیکھی تھیں جس کو انھوں نے دیگر اصحاب فنون مثلاً موسیقاروں، مصوروں، ڈرامہ آرٹسٹوں وغیرہ میں عام کر دیا تھا۔ یہ وضع قطع، تراش خراش اور بناؤ سنگھار کا انداز ان میں زمانہ حال تک باقی تھا جس کو اُنھوں نے اندلس سے سیکھا تھا اور اندلس والوں نے حجاز کے شہروں میں اہل صنعت کے ذریعہ منتقل کیا تھا۔ غرضکہ گانے والے موالیوں اور گانے والی باندیوں کی کثرت کی وجہ وہ تھی جو بیان کی گئی ہے نہ کہ اصل عربوں کی ادائیگی آواز میں عاجزی اور کم مائیگی۔

Marfat.com

غرضکہ عربوں میں نغمہ و غنا کی صنعت اور موسیقی کا فن فی الجملہ موجود تھا مگر یہ حدی خوانی اور رجز خوانی کی شکل تک محدود تھا۔ جس میں عربوں نے انتہائی کمال اور درک حاصل کیا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی آواز اذان کے لیے اس لیے استعمال میں نہیں لائی گئی کہ وہ نغمگی اور غنا کے فن سے واقف تھے اس کے برخلاف وہ تو حجاز کی وادی میں اونٹوں کو چراتے تھے اور حدی خوانی کرتے ہوئے حجاز اور یمن یا حجاز اور شام کے درمیانی راہوں اور علاقوں میں اونٹ چرانتے تھے۔ بہرحال ان کے متعلق یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ اس نوع کی حدی خوانی کے علاوہ وہ قبل از اسلام کسی اور قسم کی غنائیت میں کبھی بھی مشغول رہے ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بلند و بالا اور خوبصورت آواز صرف جنگ کے میدان اور حدی خوانی کے لیے ہمیشہ مشہور رہی ہے، ان کا تقویٰ، غیرت و حمیّت، نماز کی پابندی عبادت کا شغف اور مسجد کے بام و در سے دائمی وابستگی ایسی خصوصیات تھیں جنھوں نے ان کو مؤذن اوّل کی حیثیت سے ہمیشہ معروف و ممتاز بنائے رکھا۔

"عباس محمود العقاد"

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com